يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ

(الہام مسیح موعودؑ)

احمدیّت کا ایک بطلِ جلیل

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

سیرت وسوانح

مؤلفہ

سُلطان احمد

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ وہ جب دنیا میں اپنے گمراہ بندوں کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے برگزیدہ انبیاء اور ماموروں کو مبعوث کرتا ہے تو وہ انہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا- وہ نہ صرف خود انہیں اپنی مدد اور نصرت سے نوازتا ہے بلکہ ایسی نیک جماعت بھی عطا فرماتا ہے جس کے افراد ان کے اعضاء اور جوارح بن کر اس کی لائی ہوئی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کا موجب ہوتے ہیں- اسی سنت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُوۡحِیۡٓ اِلَیۡهِمۡ مِنَ السَّمَآءِ کا وعدہ دیا اور عملی طور پر ایسے صحابہ عطا فرمائے جنہوں نے آپ کے پیغام کی اشاعت میں اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دیا اور دنیوی حرص و آز کو چھوڑ کر دین کے ہی ہو رہے- خدا تعالیٰ ان کی مالی اور جانی قربانیوں اور نیکی اور تقویٰ کو دیکھ کر عرش پر خوش ہوا اور اپنے پاک کلام میں اَصۡحَابُ الصُّفَّةِ وَمَاۤ اَدۡرٰکَ مَاۤ اَصۡحَابُ الصُّفَّةِ کے الفاظ میں ان کی تعریف کی اور رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ کے قابل فخر سٹیفکیٹ سے انہیں نوازا-

یہ وہ جماعت تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں اسلام کے احیاء کا کام لیا اور وہ اپنے اعمال افعال اخلاق عادات اطوار اور خدمت دین کے جوش اور جذبہ کی بناء پر اسلام کے دور اول کے صحابہ مثیل قرار پائے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں:

''صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا''

اور فَبِهُدٰهُمُ اقۡتَدِهۡ کے ماتحت ہم بعد میں آنے والوں پر ان کے پاک نمونہ کو اختیار کرنا فرض قرار دیا گیا ہے- اس پاک گروہ کے اکثر افراد اپنے مفوضہ کام کو سرانجام دے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان میں سے ایک نہایت مختصر گروہ ہم میں موجود ہے جو اپنی عمروں کا اکثر حصہ گذار کر مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ کے ماتحت اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہونے کے منتظر ہیں- لہٰذا نوجوانان احمدیت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس برگزیدہ گروہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں کہ یہ نعمت بعد میں ان کے ہاتھ نہیں آئے گی- ہم نے اگر نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرنا ہے تو ہمیں اس برگزیدہ گروہ کی اتباع کرنا ہوگی اور ان کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھنا ہوگا- حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''پس جن لوگوں نے ...... حضرت اقدس کو قبول کیا اور حضور کی صحبت میں رہے وہ بعد میں آنے والوں کے لئے استاد اور نمونہ کے طور پر ہیں- اگر لوگ ان کی اتباع میں کریں گے تو یہ خدا کا حکم ہے اور اگر ان کی حقارت کریں گے تو تقویٰ کے درجات میں ترقی نہیں کر سکیں گے-''

(الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۱۹ء)

ایسے ہی پاک وجودوں میں سے ایک حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ تھے جس کے حالات زندگی اس کتابچہ میں خاکسار نے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے-

خاکسار کو ذاتی طور پر حضرت حافظ صاحبؓ کی پاک زندگی کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا کیونکہ آپ کی وفات کے وقت میری عمر قریباً پانچ سال تھی۔ لہٰذا خاکسار نے اس مضمون کی تیاری اور ترتیب میں جماعت احمدیہ کے موقر اخبارات، الحکم، بدر اور الفضل اور رسائل میں سے ''ریویو آف ریلیجنز'' کے پرانے فائلوں سے مدد لی ہے۔ خاندانی حالات کے سلسلہ میں حضرت حافظ صاحبؓ کے قریبی رشتہ داروں محترم پیر فیض احمد صاحب کیمبل پور، مکرم کیپٹن محمد اسلم صاحب ربوہ، استاذی المحترم حافظ مبارک احمد صاحب سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ اور محترمہ استانی مریم بیگم صاحبہ بیوہ حضرت حافظ صاحبؓ سے کافی حد تک مدد لی ہے۔ نیز مکرم مولوی عبدالرحمان صاحب انور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت اقدس اور مکرم مولوی محمد حسین صاحب فاضل حال پروفیسر کلیۃ الطب جامعہ احمدیہ سے ملاقات کے دوران بعض معلومات حاصل کیں اور شجرہ نسب آپ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان مکرم مختار احمد صاحب سے ملا ہے جو اس کتابچہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

بہرحال خاکسار نے اپنی طرف سے حضرت حافظ صاحبؓ کے سوانح حیات کے سلسلہ میں تمام ضروری امور دریافت کر کے انہیں یکجائی صورت میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر احباب اسے پسند فرمائیں تو خاکسار کے لئے دعا کریں اور اگر اس میں کوئی کمی نظر آئے تو اس سے از راہ کرم مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ احباب جماعت اپنے جلیل القدر بزرگوں کے حالات کا علم حاصل کریں اور ان کے نیک نمونہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مولف)

خدا تعالیٰ نے صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''میں اس بات کے اظہار اور اس کے شکر کے ادا کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ میرے ساتھ تعلق اخوت پکڑنے والے اور اس سلسلہ میں داخل ہونے والے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں۔ نہ میں نے اپنی محنت سے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں۔'' (فتح اسلام)

''میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزارہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہروں پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ ہاں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہیں۔'' (الذکر الحکیم نمبر ۴ ص ۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت حافظ روشن علی صاحبؒ

خاندانی حالات:

گیارھویں صدی ہجری میں سرزمین سابق پنجاب میں توحید و رسالت کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ خاندان نوشاہیہ سے منسلک صوفیاء کے ایک گروہ نے نہایت شاندار کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ اس گروہ کے راہ نما حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ قادری تھے۔ جنہوں نے اپنے مریدوں پر علوم وعرفان کے رازہائے سربستہ منکشف کر کے روحانی تصرفات سے ان کی قلبی کیفیات کو تبدیل کر دیا اور ان کے تاریک دلوں کو روشن کر دیا۔

حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ جالپ راجپوت خاندان کے ایک فرد تھے جو تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم کے قریباً ۳۵-۳۶ دیہات میں آباد ہے۔ ان دیہات میں سے موضع نین وال کو آپ کا مولد موطن ہونے کا فخر حاصل ہوا ہے آپ کو ابتدائے عمر سے ہی عبادت کا ایک خاص ذوق نصیب ہوا تھا اور اس ذوق کی وجہ سے آپ اپنے گاؤں کو خیر باد کہہ کر نکل آئے اور چلہ کشی کے سلسلہ میں مختلف جگہوں پر عبادت بجا لاتے رہے اور آخر آپ نے مستقل طور پر دریائے چناب کے کنارہ کو منتخب کیا جہاں آپ عبادت اور یاد الٰہی میں مشغول رہے اور چلہ کشی کا عرصہ ختم کرنے کے بعد وہیں ایک گاؤں فتح پور میں ڈیرہ

ڈال دیا اور رشد و ہدایت کا فریضہ بجالانے لگا اور قریباً ۱۰۵ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی میں گذارنے کے بعد ۸؍ربیع الاول ۱۰۶۴ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ فتح پور گاؤں کو ہی آپ کا مدفن ہونے کا فخر حاصل ہوا لیکن چند سالوں کے بعد جب دریائے چناب نے اپنا رخ اس گاؤں کی طرف پھیرا تو یہ گاؤں اس کی لہروں کی تاب نہ لا سکا اور دریا کا ایک حصہ بن گیا۔ آپ کے مریدوں نے آپ کے تابوت کو فتح پور سے نکال کر قریب ہی ایک گاؤں رنمل نامی میں دفن کیا اور یہیں آپ کا مقبرہ تعمیر کیا۔

رنمل اڑھائی تین ہزار نفوس کی آبادی پر مشتمل ایک گاؤں ہے جو گجرات پھالیہ روڈ پر گجرات سے قریباً بیس کوس جانب غرب اور پھالیہ سے قریباً آٹھ کوس جانب شرق واقع ہے۔ سرگودھا گجرات روڈ پر واقع پولیس اسٹیشن پاہڑیانوالی سے یہ گاؤں قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دور افتادہ ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ لیکن حاجی محمد نوشہ گنج بخش کے مزار مبارک کی وجہ سے یہ گاؤں ہزارہا عقیدت مندوں کا مرجع ہے اور ہر سال اساڑھ مہینہ کے نصف ثانی میں جمعرات سے جمعرات آٹھ دن تک یہاں میلہ لگتا ہے۔

حضرت حاجی محمد نوش گنج بخش کے دو بیٹے تھے۔ ۱۔ محمد برخوردار۔ ۲۔ محمد ہاشم وفات کے قریب عام دنیوی رسم کے مطابق آپ نے اپنے بڑے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنانا چاہا اور آنے والے معتقد مہمانوں کی خدمت اس کے سپرد کرنا چاہی لیکن آمدنی کے ذرائع محدود ہونے کی وجہ سے اس بوجھ کو برداشت کرنے سے اس نے انکار کر دیا لیکن چھوٹا بیٹا اس پر رضا مند ہوگیا۔

چنانچہ اب تک آپ کی گدی نشینی آپ کے اس بیٹے کی نسل میں چلی آ رہی ہے جو موضع رَنمل میں آپ کے مزار کے قریب آباد ہے آپ کے بڑے بیٹے کی اولاد پاس ہی ایک گاؤں ساہن پال میں آباد ہے-

شجرہ نسب:

حافظ روشن علی صاحب کا نسب آٹھویں پشت پر حاجی محمد نوشہ گنج بخش کے اس چھوٹے لڑکے محمد ہاشم سے جو آپ کا روحانی طور پر قائم مقام بنا جا ملتا ہے- جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کے لوگ ہاشمی بھی کہلاتے ہیں آپ کا شجرہ نسب یوں ہے-

حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش صاحب

محمد ہاشم دریادل

سلطان محمد سعید شاہ دولہ نوشہ ثانی

ابراہیم شاہ

حافظ سبحان علی

حافظ قمرالدین

حافظ سلطان عالم

میاں میراں بخش

حافظ روشن علی صاحب

حضرت حافظ صاحب کی پیدائش:

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ موضع رَنمل میں انیسویں صدی کے

آخر میں پیدا ہوئے- آپ کے والد ماجد میراں بخش صاحب اپنی معمولی زرعی جائیداد میں کھیتی باڑی کے ذریعہ گذر اوقات کرتے تھے- لیکن قریباً ۳۵ سال کی عمر میں ہی ان کی وفات نے ان کی سوگوار بیوہ اور چار یتیم بچوں کی دنیا تاریک کر دی- خاوند کی وفات کے بعد چند ماہ تک رَنمل میں ٹھہرنے کے بعد حضرت حافظ صاحب کی والدہ مسماۃ بخت روشن صاحبہ آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو ساتھ لے کر اپنے میکے وزیرآباد میں آ گئیں- جہاں ان کے والد حکیم چراغ دین صاحب نے ان سب کو اپنی پرورش میں لے لیا-

ننھیال:

حضرت حافظ صاحبؓ کے ننھیال اچھے کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھتے تھے- آپ کے نانا حکیم چراغ دین صاحب اور ان کے بھائی حکیم مہتاب دین صاحب آخر عمر تک اکٹھے ہی رہے- مؤخر الذکر کی کوئی اولاد نہ تھی- لیکن دونوں بھائیوں میں بڑی محبت تھی- اور پھر دونوں کی بیویاں حقیقی بہنیں تھیں جس کی وجہ سے حکیم مہتاب دین صاحب اور ان کی بیوی حکیم چراغ دین صاحب کے بچوں سے پدرانہ اور مادرانہ سلوک ہی کرتے تھے اور گھر کی مالی پوزیشن مشترکہ آمد کی وجہ سے مضبوط تھی- حضرت حافظ صاحبؓ کے دو ماموں تھے- ایک ڈاکٹر فضل احمد صاحب اور دوسرے مولوی نذیر احمد صاحب جو علی گڑھ کے گریجوایٹ تھے- اور ریاست جموں وکشمیر میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے- ہوم منسٹر بھی رہے- حضرت حافظ صاحبؓ آخری سالوں میں کشمیر کے سفروں میں انہی کے پاس قیام فرماتے رہے-

ابتدائی تعلیم اور قادیان میں آمد:

حافظ صاحب کے والد جب فوت ہوئے آپ کی عمر چار پانچ سال کی تھی۔ آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ والد کی وفات کی وجہ سے گھر پر غم واندوہ چھایا تھا۔ کسی نے ان کے علاج کی طرف توجہ نہ دی۔ جس کی وجہ سے وہ زیادہ خراب ہوگئیں اور نتیجتاً آپ کی بینائی بہت کم ہوگئی۔ جس کی وجہ سے وزیرآباد آکر آپ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ بڑے بھائی نے تو گھر کی ضروریات کی وجہ سے ریلوے میں ملازمت کر لی۔ اور چھوٹے بھائی رحمت علی صاحب کو جو زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ میڈیکل کالج میں داخل کرادیا گیا۔ اور تیسرا بھائی بھی سکول میں داخل ہوگیا۔ لیکن حافظ صاحب اپنی بینائی کم ہونے کی وجہ سے سکول کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے آپ کی عمر کوئی نو سال کے قریب گی کہ حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیرآبادی (جو رشتہ میں آپ کے ماموں تھے) کے مشورہ پر آپ کو ان کے پاس بھجوادیا گیا جہاں آپ نے کوئی پندرہ سولہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اور اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر رحمت علی صاحبؓ (جو اس وقت افریقہ میں ملازم تھے) (کی ہدایت اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی کے مشورہ سے آپ کو قادیان پہنچادیا گیا۔ جہاں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہوئے اور تعلیم دین کے لئے آپ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ کے سپرد کئے گئے۔ پانچ سال کے قریب عرصہ تک آپ ان سال کے شاگرد رہے اور متعدد دینی کتب کے علاوہ حضرت خلیفہ اوّل کے ارشاد پر طب کی کتاب ''نفیسی'' بھی حضرت قاضی صاحب سے درساً

درساً پڑھی اور اس کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ نے آپ کو اپنے درس خاص میں لے لیا۔ قادیان آنے سے قبل آپ اواخر ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو الحکم ۱۰ ردسمبر ۹۹ء ص ۸)

حضرت حافظ صاحب کے بھائی:

حضرت حافظ صاحب (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) چار بھائی تھے۔ آپ سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے بڑے بھائی پیر برکت علی صاحبؓ تھے۔ والد کی وفات کے بعد گھر کا پورا بوجھ ان کے سر پر آپڑا۔ جس کی وجہ سے آپ نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر ملازمت اختیار کر لی۔ اور پھر جب سب بھائی اپنے اپنے کاروبار میں لگ گئے تو یہ دوبارہ رنمل چلے گئے۔ جہاں آپ پنسار اور طب کی دوکان کرتے تھے۔ اپنے گاؤں اور اس کے ملحقہ قریباً نو دیہات پر مشتمل جماعت کے سیکرٹری مال تھے۔ یہ جماعت آپ کے زمانہ میں نہایت چست اور باہمت جماعت تھی جس کا سالانہ بجٹ ۱۷۸ روپے تھے۔ تبلیغ کا آپ کو جنون تھا۔ آپ نے متعدد تبلیغی لیکچر بھی وہاں کرائے۔ حضرت حافظ صاحبؓ کو بھی متعدد بار رنمل بلا کر ان سے میلہ پر اور دوسرے مواقع پر وعظ کرائے اور ۱۹۱۵ء میں آپ کو بلا کر رنمل میں باجماعت نماز تراویح اور درس قرآن کا انتظام کیا۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۲۳ر جولائی ۱۵ء ص ۲)

آپ ۱۹۲۴ء میں فوت ہوئے اور رنمل میں ہی دفن ہیں آپ نے اپنی یادگار ایک لڑکا فضل الرحمان چھوڑا ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اولاد کی نعمت سے مالا مال ہے۔

دوسرے بھائی ڈاکٹر پیر رحمت علی صاحبؓ تھے۔ جو سروس کے سلسلہ میں مشرقی افریقہ تشریف لے گئے جہاں ۱۸۹۸ء میں انہیں احمدیت قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور غالباً ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود کی زیارت بھی کرنا موقع ملا۔ باقی بھائی ان کی تحریک اور تبلیغ سے بعد میں احمدیت میں داخل ہوئے اور اس کے بعد وہاں آپ احمدیت کی مالی تبلیغی اور تنظیمی خدمات بجالاتے رہے۔ ۱۰رجنوری ۱۹۰۴ء کو سمالی لینڈ میں جبکہ ایک زخمی کو پٹی کررہے تھے ایک مجروح نے بھالا مارکر آپ کو ۲۷۔۲۸ سال کی عمر میں شہید کر دیا۔ ڈاکٹر سید جلال صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ سول ہسپتال بربرہ آپ کی موت کی خبر دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''جماعت افریقہ ان کو ماں باپ کے تعلق سے بھی زیادہ عزیز جانتے تھے کیونکہ اس دور خطہ میں انہوں نے ہی ہماری احمدی جماعت کا بیج بویا یہاں پر انہی کے طفیل سے جماعت احمدیہ کھڑی ہوئی۔ ان کی بردباری، حلیم مزاجی، خشیت اللہ وزہد ہر ایک ان سے مُسِن آدمیوں کے لئے ایک نمونہ تھی۔ باوجود اتنی تکالیف لڑائی کے وہ اپنے آقا کے حکم پہنچانے اور خطوط کا جواب دینے اور اپنے خدا کے حکم بجالانے میں کبھی طبیعت میں کسل نہ لاتے تھے۔'' (الحکم ۱۰رفروری ۱۹۰۴ء ص ۵۔۶)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''مرحوم مغفور پرلے درجہ کے متقی تھے انہیں جمعیت باطن سکینت اور

ورع اس درجہ کی حاصل تھی کہ ان سے گہری واقفیت رکھنے والے ان کی ولایت کے صدق دل سے قائل تھے۔''

پھر فرماتے ہیں:

> ''ہمارے پیارے اور ماسوف رحمت علی صاحب نے زہد و ورع تقویٰ و طہارت اور ایمان اللہ کا وہ نمونہ دکھایا جو ہم سلسلہ احمدیہ کے بزرگ اور مشہور راست بازوں اور گذشتہ پاکبازوں کے سوا کسی مذہب اور مشرب کے برناؤ پیر میں نہیں پاتے۔ ان کی پاک اور متقیانہ زندگی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جہاں جہاں وہ رہے محض ان کے چال چلن کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے خدا تعالیٰ کے سچے خلیفہ مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کو شناخت کرلیا یہ بالکل صحیح اور حق بات ہے کہ رحمت علی مصفی آئینہ تھے حضرت مرسل اللہ علیہ السلام کے چہرہ مبارک کے دیدار کے لئے''

آخر میں لکھتے ہیں:

> ''مغفور رحمت علی کے ہاتھ سے بہت سی جانیں اس لعنت ابدی سے بچ گئیں جو مسیح موعود مہدی علیہ السلام کے انکار اور کفر کے سبب سے نازل ہوتی ہے۔''

(الحکم ۱۰رفروری ۱۹۰۴ء ص ۶)

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے پیچھے صرف ایک لڑکی امتہ اللہ بیگم صاحبہ بطور یادگار چھوڑی جن کی شادی بعد میں جناب کیپٹن محمد اسلم صاحب سے کردی گئی اور اس وقت آپ محلّہ دارالصدر ربوہ میں مقیم ہیں۔

تیسرے بھائی پیر اکبر علی صاحبؓ بھی نہایت مخلص احمدی تھے زمیندارہ کام کرتے تھے۔ بعد میں ضلع نواب شاہ (سندھ) میں کچھ رقبہ زمین کا حاصل کر کے وہیں رہنے لگ گئے تھے۔ فروری ۱۹۲۰ء میں کچھ عرصہ تک بعارضہ دق وسل بیمار رہنے کے بعد راہی ملک عدم ہوئے آپ کی نعش کو بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن کیا گیا آپ نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ لڑکے کا نام عبدالعلی ہے جن کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور لڑکی امتہ النصر صاحبہ کراچی میں ہیں۔ اور مکرم بابو احمد جان صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔

شادیاں:

حضرت حافظ صاحب نے اپنی زندگی میں چار شادیاں کیں۔ آپ کی پہلی شادی آپ کی پھوپھی کی لڑکی محترمہ حیات نور صاحبہ سے ہوئی جو چند سال ازدواجی زندگی گزار کر ۱۹۱۱ء میں فوت ہوگئیں اس کے بعد دوسری شادی آپ نے حضرت مسیح موعود کے ایک مخلص صحابی حضرت منشی شادی خان صاحبؓ کی لڑکی محترمہ استانی مریم بیگم صاحبہ سے دسمبر ۱۹۱۱ء میں کی۔ نکاح حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ نے پڑھا۔ تیسری شادی ۵؍اکتوبر۔۱۹۲۰ء کو آپ نے اپنے بھائی پیر اکبر علی صاحبؓ کی بیوہ آمنہ صاحبہ بنت پیر دولت علی صاحب سکنہ پنڈ عزیز ضلع گجرات سے کی جو آپ کی پہلی بیوی کی بھتیجی تھی۔ نکاح حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا۔ آپ کا یہ نکاح حضرت نے آپ کے بھائی پیر اکبر علی صاحب مرحومؓ کی ایک وصیت کے نتیجہ میں پڑھا۔ وفات کے وقت انہوں نے اپنی اس بیوی کو جواں عمر ہونے کی وجہ سے جناب حافظ صاحبؓ سے شادی کر لینے کی وصیت کی تھی۔ آپ کی یہ بیوی بھی مختصر سی ازدواجی زندگی گذار کر فوت ہوگئیں۔ چوتھا نکاح آپ کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محترمہ امتہ المجید صاحبہ بنت حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی سے ۱۰؍ستمبر ۱۹۲۵ء کو بعوض پانصد روپیہ مہر پڑھا۔ آپ کی اس بیوی نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے پیر عبدالعلی صاحب سے شادی کر لی اور اب تک بفضل خدا زندہ موجود ہیں۔

اسی طرح محترمہ استانی مریم بیگم صاحبہ بھی بقید حیات ہیں۔ اپنی صحت کے زمانہ میں آپ لجنہ اماء اللہ کی بہترین کارکن رہی ہیں۔ تربیتی مضامین پر آپ کا قلم خدا تعالیٰ کے فضل سے خوب چلتا رہا ہے اسی طرح سیرت النبیؐ کے متعلق متعدد مضامین جن میں سے بعض الفضل کے خاص نمبروں کی زینت بنے ہیں آپ کے قلم سے نکلے ہیں۔ لجنہ اماء اللہ کے اکثر اجتماعوں سے آپ خطاب کرتی رہیں۔ یہ بات بھی علم میں آئی ہے کہ آنمحترمہ میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا خاص رنگ پایا جاتا ہے۔ اپنے ہم جنسوں کی تربیت کی طرف متوجہ رہنا اور ان کی ایمانی اور علمی ترقی کے لئے ہر دم کوشاں رہنا ایک ایسا جذبہ ہے جو حضرت حافظ صاحبؓ کی صحبت بابرکت کا ہی اثر ہے آج کل بھی جب کہ آپ چلنے پھرنے سے قریباً معذور ہیں۔ محلّہ کے اکثر بچے آپ کی زیر تربیت رہتے ہیں۔ اس طرح آپ کا نافع الناس وجود اب بھی لوگوں کے لئے برکت کا

موجب بن رہا ہے۔

اولاد:

حضرت حافظ صاحبؓ نرینہ اولاد سے محروم رہے۔ ہاں آپ کی پہلی بیوی کے بطن سے ایک لڑکی امتہ الحق صاحب (دو سال ہوئے وفات پا گئی ہیں) پیدا ہوئیں جو استاذی المحترم جناب حافظ مبارک احمد صاحب فاضل کے نکاح میں آئیں۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۸/ جولائی ۱۹۲۴ء) محترم مولوی عبدالرحمان صاحب انور روایت فرماتے ہیں کہ آپ کو رؤیا کے ذریعہ مقدر اولاد کی روحانی حالت کا علم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اگر میری اولاد نے دین کی خادم نہیں بننا تو مجھے ایسی اولاد عطا نہ فرما۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اولاد کا ہونا کس انسان کے لئے موجب اطمینان نہیں ہوسکتا۔ لیکن دین کی خاطر اس عام فطرتی جذبہ سے بھی کنارہ کشی کر لینا حضرت حافظ صاحبؓ کے روحانی کمال کا ایک عجیب نمونہ ہے۔

تعلیمی زمانہ:

حضرت حافظ صاحب کو قادیان کے قیام کے دوران میں خوراک اور لباس کی فکر سے آپ کے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحبؓ مرحوم نے آزاد رکھا۔ وہ آپ کو باقاعدہ اخراجات بھیجتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کی خوراک کا انتظام لنگر خانہ میں کیا گیا۔ اس طرح آپ اپنی تعلیم میں ہمہ تن مصروف رہے اور دنیا کی کوئی فکر اور تشویش آپ کی توجہ کو حصول تعلیم سے پھرا نہ سکی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت نواب محمد علی صاحبؓ

کو اپنے بچوں کی تربیت کے لئے ایک مربی کی ضرورت پڑی اور آپ نے اس کام کے لئے حضرت حافظ صاحبؓ کو چنا اور ساتھ ہی آپ کی پوشش و خوراک کا انتظام اپنی جیب خاص سے بصورت ماہوار گزارہ کر دیا۔ حضرت حافظ صاحبؓ جہاں آپ کے بچوں کی تربیت کے فرائض سرانجام دیتے رہے وہاں آپ نے اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھا۔

اساتذہ کرام کی رائے آپ کے متعلق:

آپ کلاس میں اپنے استاد کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے نہایت مؤدّب خلیق اور اپنے ہی کام میں منہمک رہنے والے تھے۔ اس لئے آپ کے ساتھ طلباء آپ کی تعظیم کرتے۔ اساتذہ کے آپ نہایت ہی فرمانبردار تھے۔ اور ان کا احترام اور ادب ہر دم آپ کے پیش نظر رہتا۔ حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیرآبادی فرماتے ہیں:

> ''ابتدائے عمر سے حافظ صاحب فرمانبردار تھے۔ اور آپ کا اتنا ادب کیا کرتے تھے کہ بہ سبب ادب اور حجاب کے بول و براز کے لئے باہر جانے کی اجازت بھی خود نہ لیتے بلکہ کسی طالب علم کے ذریعہ ہی اجازت مانگتے۔''

نیز آپ فرماتے ہیں:

> ''حافظ روشن علی صاحبؓ کی مرنج مرنجاں و خاموش طبیعت۔ نیکی۔ اپنے کام میں ہی منہمک رہنے اور

بہت ہی ادب کرنے اور زیادہ خوش الحان ہونے کی وجہ سے میں ان کو ہی طلباء کا امام بنایا کرتا تھا۔ طلباء بھی ان کا ادب کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔''

(الفضل ۶ راگست ۱۹۲۹ء ص ۷)

ذہانت اور حافظ

حضرت حافظ صاحبؓ نہایت ذہین تھے ذہن نہایت صافی تھا۔ آپ تلاوت کرتے وقت پچھلی آیات بتا سکتے تھے۔ عام حافظ ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر ایک لفظ بھی رک جاتے تو وہ نئے سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر آپ میں یہ کمال پایا جاتا تھا کہ آپ الگ الگ آیات بھی بتا سکتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کلام الٰہی آپ کی ذہنی آنکھوں کے سامنے کھلا پڑا ہے۔

پھر ایک بڑا کمال آپ میں یہ پایا جاتا تھا کہ کسی مضمون کے متعلق دریافت کرنے پر آپ فوراً قرآن کریم کی متعدد آیات بتا دیا کرتے تھے۔ گویا تمام قرآنی مضامین آپ کی ذہنی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ موجود رہتے تھے اور ضرورت کے وقت آپ کو زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے اس کمال کی تعریف کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''حافظ صاحب میں یہ بڑا کمال تھا کہ انہیں جب بھی کوئی مضمون بتا دیا جاتا تھا وہ اس مضمون کی آیتیں قرآن کریم سے فوراً نکال دیتے۔ اکثر تو پہلی دفعہ ہی صحیح

آیت نکال دیا کرتے تھے اور اگر پہلی دفعہ صحیح آیت نہ بتا سکتے تو دوسری دفعہ ضرور صحیح آیات بتا دیتے تھے مگر ان کی وفات کے بعد مجھے اب تک کوئی ایسا آدمی نہیں ملا۔ ان کی زندگی میں مجھے مضمون تیار کرنے کے متعلق کبھی گھبراہٹ نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ میں جانتا تھا تقریر کرنے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے میں ان کو اپنے پاس بٹھا لوں گا اور وہ آیتیں نکال نکال کر مجھے بتاتے چلے جائیں گے۔''

(الفضل ۲۶ رجولائی ۱۹۴۴ء ص ۳)

ایک اور موقعہ پر فرمایا:

''ایک دفعہ لاہور میں مجھے اچانک تقریر کرنی پڑی۔ حافظ روشن علی صاحبؓ مرحوم جو آیات کا حوالہ نکالنے میں بہت مہارت رکھتے تھے ان کو میں نے پیچھے بٹھا لیا اور مضمون بیان کرنا شروع کر دیا جب ضرورت ہوتی ان سے حوالہ دریافت کر لیتا۔''

(الفضل ۱۰ رستمبر ۱۹۳۸ء ص ۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک موقعہ پر حضرت حافظ صاحبؓ سے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب وہ کیا آیت ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی آیت سے ٹھٹھا ہو تو اس مجلس میں نہ بیٹھو۔ اس پر آپ نے حتی یخوضوا فی حدیث وغیرہ والی آیت پڑھ کر سنائی۔

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۲۲۰)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر فرماتے ہیں:

"(میری) ہر بڑی تقریر کے مضمون کے اشارات کا بیشتر حصہ حضرت حافظ صاحب مرحوم لکھاتے تھے اور میں نہایت اطمینان سے زیادہ مطالعہ کئے بغیر تقریر سے پہلے مرحوم کے پاس جاتا اور کہتا کہ آج میں Moving Encyclopaedea of islam (متحرک دائرۃ المعارف اسلام) کے مطالعہ کے لئے آیا ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ اس سے بھی کم وقت صرف کر کے جو برٹش میوزیم لائبریری لندن میں محض کتاب لینے کی اجازت حاصل کرنے میں خرچ ہوتا تھا علم کے زندہ خزانہ سے ضرورت کے مطابق دولت معلومات لے کر شاداں وفرحاں واپس ہوتا تھا۔"

(الفضل ۱۲/جولائی ۱۹۲۹ء ص ۸)

آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ آپ کلام مجید کا ترجمہ تحت اللفظ بھی بغیر متن پڑھے کے اسی روانی کے ساتھ کر سکتے تھے گویا آپ قرآن کریم کے ترجمہ کے بھی حافظ تھے۔

لندن میں دو ماہ کے قیام میں آپ نے اکثر فقرات انگریزی سیکھ لئے تھے اور انگریزی خوانوں کے مذاق کے مطابق ان سے گفتگو نہایت عمدگی سے فرماتے تھے۔ گفتگو میں جو لفظ استعمال کرتے وہ ٹھیک طور پر کرتے اور انگریزی خوانوں کا مضحکہ نہ بنتے۔ انگلستان میں آپ انگریزی کے چند الفاظ اور ہاتھ کے دو تین اشاروں سے بعض انگریزوں سے مذہبی گفتگو فرما لیا کرتے تھے۔

آپ کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انگلستان جاتے ہوئے ہم عدن میں اترے وہاں میں نے ایک عرب دکاندار سے عربی میں کھجوروں کا بھاؤ دریافت کیا۔ اس نے جو جواب دیا میں اسے سمجھ نہ سکا۔ میں نے دوبارہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ میری بات سمجھا نہیں پھر اس سے وہی سوال کیا۔ اس نے پھر مجھے وہی جواب دیا میں پھر اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اسی طرح دو چار دفعہ ہم میں سوال یہ جواب ہوا۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم میرے پاس ہی کھڑے تھے وہ اس سوال و جواب کو سن کے بے اختیار ہنسنے لگے۔ میں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں تو انہوں نے کہ آپ عربی بول رہے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ آپ پنجابی بول رہے ہیں اور صرف اندازہ لگا کر جواب اردو میں دے رہا ہے۔ لیکن آپ اس کے لہجہ کی وجہ سے سمجھ رہے ہیں کہ وہ عربی بول رہا ہے لیکن ایسی خراب زبان بول رہا ہے کہ آپ اسے سمجھ نہیں سکتے حالانکہ وہ عربی نہیں وہ اردو میں جواب دے رہا ہے۔"

(الفضل ۲۸/مارچ ۱۹۴۶ء ص ۶)

آپ نہایت حاضر جواب تھے کوئی شخص بھی آپ کی مجلس میں رنجیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ چاہے کس مذاق کے ہوں حضرت

حافظ صاحبؓ ان پر کبھی بار گراں محسوس نہیں ہوتے تھے- حضرت میر محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ

''میں نے آپ سا ذہین حافظ اور قادر الکلام کوئی نہیں دیکھا-'' (الفضل ۲۸/جون ۱۹۲۹ء ص ۷)

آپ کا حافظہ نہایت بے نظیر تھا- صفحات کے صفحات ایک دفعہ سن کر پھر دوبارہ سنا سکتے تھے- بلا مبالغہ ہزاروں اشعار عربی آپ کو یاد تھے- نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اکثر قصائد ہی آپ کو یاد تھے بلکہ آپ کی بعض عربی کتب بھی آپ کو یاد تھیں- سنا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں یورپ کو جاتے ہوئے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ دمشق میں قیام فرما ہوئے تو وہاں کسی تبلیغی غرض سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عربی میں لکھی ہوئی کتاب کی ضرورت پڑی حضور نے حضرت حافظ صاحبؓ سے اس کتاب کے ساتھ نہ ہونے کا افسوس کیا تو حضرت حافظ صاحبؓ نے وہ کتاب زبانی سنانی شروع کر دی- محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب کوئی الفاظ انگریزی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے اکثر نسخہ جات، انگریزی ادویہ کے نام، ان کی خوراک وغیرہ صحیح تلفظ اور مقدار میں یاد تھیں- حالانکہ آپ انگریزی نہیں جانتے تھے- (ملاحظہ ہو الفضل ۴/اکتوبر ۱۹۲۹ء)

محترم میاں عطاء اللہ صاحب مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی فرماتے ہیں کہ انہوں نے خود آپ سے سنا فرماتے تھے کہ-

''ایک دفعہ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ حافظ صاحب! کیا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

کتاب ''اعجاز المسیح'' پڑھی ہے- میں نے کہا کتاب کھولو- اس نے کھولی اور میں نے اسے پینتیس صفحے زبانی سنا دیئے-'' (الفرقان ربوہ بابت دسمبر ۱۹۶۰ء)

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حضرت حافظ صاحبؓ کی نظر بچپن میں ہی خراب ہو چکی تھی اور آپ کی صرف ایک آنکھ میں ہی کچھ بینائی تھی- آپ نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے اس لئے آپ نے تمام علوم محض سن کر تحصیل کئے اور ہر علم کے متعلق حوالوں کا ایک وسیع ذخیرہ ہر وقت آپ کے حافظہ میں موجود رہتا تھا اور بقول حضرت مولانا عبدالرحیم نیر آپ چلتا پھرتا انسائکلو پیڈیا آف اسلام تھے-

تبحر علمی:

آپ اپنے زمانہ میں سلسلہ احمدیہ کے سب سے بڑے عالم تھے- قرآن و حدیث کے علاوہ آپ نے ہر ایک اسلامی علم میں تبحر حاصل کیا تھا- عیسائیت یہودیت اور آریہ مت وغیرہ مذاہب سے متعلق آپ کو نہایت اعلیٰ درجہ کی واقفیت حاصل تھی- کسی مذاہب وملت کا آدمی ہو اس سے آپ نہایت عمدگی سے گفتگو فرما سکتے تھے- آپ کی گفتگو نہایت مدلل اور استدلال نہایت وزن دار ہوتا- آپ جو مضمون لکھواتے نہایت مفید معلومات سے پُر ہوتا تھا- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ مذہبی میدان میں غیر مبائع، غیر احمدی، آریہ، سکھ، عیسائی اور سناتنی غرض ہر مذہب کے لوگوں سے

گفتگو اور مباحثہ کر سکتے تھے اور یہ خوبی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے سوا اور کسی میں میں نے نہیں دیکھی۔''

(الفضل ۲۸؍جون ۱۹۲۹ء ص ۷)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''قاضی امیر حسین صاحب حافظ روشن علی صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اپنے اپنے رنگ میں کامل تھے۔ قاضی صاحب علم حدیث کے ماہر تھے۔ حافظ صاحب قرآن کریم کی تفسیر کے اور مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے''۔

(الفضل ۳۱؍مارچ ۱۹۴۴ء ص ۳)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ فرماتے ہیں کہ

''حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی ایک خاص یادگار دنیا میں نور قرآن سے فیض یافتہ حافظ القرآن حضرت مولانا روشن علی (مرحوم) ہیں۔''

(الفضل ۱۲؍جولائی ۱۹۲۹ء ص ۸)

محترم پیر فیض احمد صاحب جو خاندانی رشتہ کے لحاظ سے حافظ روشن علی صاحب کے بھائی ہیں اور آج کل کیمل پور میں رہائش پذیر ہیں۔ فرماتے ہیں

کہ

''حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اپنے تمام روحانی علوم میاں محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دے دیئے ہیں۔ اور تمام ظاہری علوم حافظ روشن علی صاحب کو دے دیئے ہیں۔''

خود حضرت حافظ صاحبؓ کو بھی اپنے اس مقام کا احساس تھا۔ چنانچہ مرض الموت میں جب کہ آپ کے شاگردوں نے آپ سے درخواست کی کہ بیماری کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کم گفتگو فرمایا کریں۔ تا صحت پر مزید برا اثر نہ پڑے تو آپ نے فرمایا:

''زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ جتنا کچھ ہو سکے۔ ابھی میں تم کو بتا دوں تو اچھا ہے۔ مجھے سب سے بڑا غم یہی ہے کہ میں ایسے وقت میں جا رہا ہوں کہ سلسلہ میں کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا جو تمہیں آگے چلائے مجھے خوف ہے کہ بعد میں یہ پڑھا ہوا بھی تمہیں بھول نہ جائے۔ کجا یہ کہ تم ترقی کرو جب کبھی ایسی باتیں ہوتیں۔ آپ ہمیشہ اس غم کا اظہار فرماتے۔''

(روایت محترم مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی مندرجہ الفضل ۶؍اگست ۲۹ء ص ۸)

آپ کے تبحر علمی کا اثر نہ صرف ہندوستان والوں پر تھا۔ بلکہ بیرونی ممالک کے علم دوست لوگ جن سے حضرت حافظ صاحب کی ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کی علمی فوقیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انگلستان میں ویمبلے کانفرنس

میں تقریری پروگرام میں ایک اور لیکچرار کا نام کاٹ کر آپ کا نام رکھا گیا۔ اور پھر آپ نے تصوف کے متعلق جو ٹھوس معلومات اپنی تقریر میں پیش کیں مستشرقین یورپ بھی اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ ملک شام میں آپ کی تقریروں اور مباحثوں کی دھوم مچ گئی تھی۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرّ نے آپ کے اس علمی پہلو کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حافظ صاحب کی وفات سے نہ صرف جماعت احمدیہ کا نہ تلافی ہونے والا نقصان ہوا ہے اور خلافت ثانی کا مولانا عبدالرحیم ثانی ہم سے جدا ہوا ہے۔ بلکہ دنیائے اسلام میں چونکہ حافظ صاحب کی سی جامع صفات رکھنے والا دوسرا آدمی نہ موجود تھا اور نہ ہے۔ اس لئے کل اسلامی دنیا کا نقصان ہوا ہے جس کا احساس متعصّب ہندوستانی گو نہ کریں۔ مگر ممالک اسلامیہ کے جن علماء اور عوام نے حضرت مرحوم کو ان کے دوران سفر شام و مصر میں دیکھا تھا۔ وہ اس کا احساس کئے بغیر نہ رہ سکتے۔''

(الفضل ۱۲/جولائی ۱۹۲۹ء ص ۸)

خطابی قابلیت:

تقریر میں آپ احمدی جماعت میں بلا استثناء سب سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ بلا مبالغہ آپ نے ہزاروں تقریریں کیں اور پھر ملک کے ہر حصہ میں دیہات میں بھی اور شہروں میں بھی کیں۔ اور ہر فن کے ماہرین کے سامنے

کیں۔ اور ہر بار آپ نے اپنی صفائی و شستگی بیان کی وجہ سے حاضرین کی توجہ کو پورے طور پر جذب کر لیا۔ نیز آپ **تکلموا الناس علی قدر عقولھم** کے مطابق ہر طبقہ کی شایان حال تقریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنے اس کمال کی وجہ سے متعدد اسلامی انجمنوں کی دعوت پر ان کے جلسوں میں شامل ہوئے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۷ء پیر میلہ نوشاہیاں رَمل کی دعوت پر آپ نے حاضرین کے سامنے تقریر کی۔ انجمن احمدیہ جموں نے مارچ ۱۹۲۴ء اور پھر جنوری ۱۹۲۶ء میں آپ کو خاص دعوت دے کر اپنے جلسہ میں تقریریں کروائیں۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں نے آپ کو فروری ۱۹۲۴ء میں اپنے اجلاس سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ علی گڑھ میں یونیورسٹی کی ایک تقریب پر آپ نے ''اسلامک ہسٹری اور اسلام اور دیگر مذاہب'' کے مقابلہ پر زبردست تقریر کی۔

ستمبر ۱۹۲۴ء میں آپ نے جموں میں عالمگیر مذہب کے موضوع پر تقریر کی۔ اس تقریر نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ صدر جلسہ جناب عبدالعزیز صاحب ایم اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ نے بے ساختہ فرمایا:۔

''جموں میں آج تک کسی سٹیج پر کوئی ایسا قابل قدر لیکچرار پیش نہیں ہوا۔'' (الفضل ۵/اکتوبر ۱۹۲۶ء ص ۹)

حضرو میں اکتوبر ۱۹۲۶ء میں آپ کے ایک لیکچر ''اسلام اور دیگر مذاہب'' میں شمولیت سے مخالفین نے بعض لوگوں کو منع کیا۔ لیکن جو لوگ لیکچر سننے کے لئے نہ آئے۔ انہوں نے اس کی شہرت سن کر منع کرنے والوں کا ناک

میں دم کر دیا- اور اپنے آپ کو بدقسمت شمار کیا- بعض لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ یہ مضمون آب زر سے لکھنے کے قابل ہے-

(ملاحظہ ہو الفضل ۵/نومبر ۱۹۲۶ء ص۱۰)

غرض آپ کی تقاریر نہایت مدلل نہایت موثر، عالمانہ اور مستغنی عن التوصیف ہوتیں- سامعین پر ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کا وجد طاری ہو جاتا تھا-

حضرت حافظ صاحب کا طرز بیان نہایت عمدہ ہوتا تھا- آپ اپنے لیکچر میں اپنے دلائل کو اس طور سے بیان کرتے کہ ہر سننے والا اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اسے اپنے حافظہ میں محفوظ کرتا چلا جاتا- اور جب تقریر سن کر واپس آتا تو علم کا ایک خزانہ اپنے ساتھ لاتا- چنانچہ آپ کے ایک لیکچر ''توحید باری تعالیٰ'' کی روئیداد لکھتے ہوئے مکرم عبدالعزیز صاحب سیکرٹری تبلیغ گجرات لکھتے ہیں کہ:

> ''جناب حافظ صاحب کا طرز ادا بھی عجیب تھا- آپ ایک دلیل بیان کرتے تھے اور اس ٹیچر کی طرح کہ جو کلاس کو کوئی سوال سمجھاتا ہے- نہایت وضاحت سے صاف اور سادہ مثالوں سے اس پر روشنی ڈالتے- اور سامعین کو ذہن نشین کراتے-'' (الفضل ۵/اکتوبر ۱۹۲۶ء ص۸)

جلسہ سالانہ قادیان کی اسٹیج پر آپ کو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۷ء تک برابر چودہ سال تقاریر کرنے کا موقعہ ملا ہے- ۹/سال آپ نے صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر تقریریں کی- لیکن ہر بار آپ نے نئے انداز اور نئے معیاروں سے اس مضمون کو بیان کر کے سامعین کو محظوظ کیا- آپ نے اپنی ایک

تقریر میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ آپ نے اپنی تقریر کے لئے کیوں صداقت مسیح موعودؑ کا موضوع تجویز کیا ہے- آپ فرماتے ہیں:

> ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سچا ثابت ہونا ایسا ہے کہ اسلام کی صداقت قرآن کریم کی صداقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی ہستی اسی سے ثابت ہو جاتی ہے- پس وہ امر جس کے ثبوت پر سارے امور سچے ثابت ہو جاتے ہیں- اس کا بیان کرنا مقدم ہے یا کسی اور کا- تو یہ مضمون نہایت ضروری تھا- اس لئے میں نے اس کو اختیار کیا تا کہ سب امور صادق اور سچے ثابت ہو جائیں- چونکہ لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ اسلام پرانے واقعات اور قصے کہانیاں ہیں- اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر ثابت کر دیا ہے اور مشاہدہ کرا دیا ہے کہ وہ قصے کہانیاں نہ تھے بلکہ صحیح واقعات تھے- پس آپ کی صداقت ثابت کرنے سے سب باتوں کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے-''

(الفضل ۲۲/۱۹ جولائی ۱۹۱۹ء ص۱۴)

حضرت حافظ صاحب نہ صرف اردو زبان میں ہی تقریر کرنے کی مہارت تامہ رکھتے تھے بلکہ عربی میں بھی آپ ایسے ہی زور اور روانی کے ساتھ تقریر فرما سکتے تھے- چنانچہ اپنی زندگی میں آپ نے کئی گھنٹوں تک لمبی تقاریر عربی زبان میں کیں- پنجابی میں بھی آپ نے بعض تقاریر کیں-

مباحثات:

حضرت حافظ صاحبؓ بہترین مناظر بھی تھے اور مناظرہ میں نہایت سنجیدہ اور غیر دل آزار تھے- آپ کی یہ صفات ایسی تھیں کہ مخالف دشمن کا بھی ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا- مولوی ثناء اللہ صاحب جن کے کئی ایک مباحثے آپ سے اور دوسرے احمدی مناظرین سے ہوئے- انہوں نے آپ کی وفات پر جو نوٹ اپنے اخبار اہل حدیث میں لکھا- اس میں آپ کی ان خوبیوں کو سراہا ہے- آپ کسی مذہب کی برائی بیان کئے بغیر اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ دوسرے مذہب کی تعلیم کو اس کی مسلمہ کتب سے ثابت کرتے تھے- آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں مباحثے کئے جو غیر از جماعت علماء- عیسائی پادریوں اور آریوں سے ہوئے- کئی ایک مناظروں میں اہل سنت والجماعت کی طرف سے پیش ہوئے- لیکن کسی ایک موقعہ پر بھی مخالف فریق کو آپ کے خلاف کوئی شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملا-

مئی ۱۹۱۸ء میں آپ نے گجرات میں پنڈت شانتی سروپ اور پنڈت پورنا نند صاحب سے ایک مشہور مباحثہ کیا- اس مباحثہ کے اختتام پر غیر از جماعت دوست اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کو ہاتھوں پر آپ کی قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے آمادہ و تیار ہو گئے- (ملاحظہ ہو الفضل ۸؍جون ۱۹۱۸ء ص۲)

مارچ ۱۹۲۳ء میں آپ آریوں سے ایک مباحثہ کے لئے دوبارہ گجرات تشریف لے گئے- آریہ مناظرین اس موقعہ پر مناظرہ سے کترا گئے- آپ نے اس موقعہ پر مسلمانوں کو آریوں کے مقابل پر اسلام کی تائید

میں دلائل نوٹ کرانے اور آریہ مذہب سے واقفیت کرانے کے لئے ایک عظیم الشان لیکچر گجرات میں دیا- اس کے متعلق گجرات کے ایک معزز مسلمان جناب عبدالمالک صاحب شیخ نے لکھا-

> ''صحیح معنوں میں اس شکریہ کے مستحق حافظ روشن علی صاحب ...... ہیں جنہوں نے اپنی تقاریر و مواعظ میں کوئی ایسا کلمہ زیب گلو نہیں فرمایا جو کہ کسی عقیدہ کے آدمی کے لئے باعث تکلیف یا رنج و ملال ہووے- بلکہ آریہ مذہب کی واقفیت جو انہوں نے عوام کو نہایت مؤثر و مدلل اور مفصل طریقہ سے کرائی اس پر ہر کس و ناکس کا دل عش عش اور صد مرحبا کے نعرے بلند کرتا ہے-''

آپ نے لکھا کہ:

> ''گجرات کا ہر بندہ مسلم حافظ روشن علی صاحب ......کا ثناءخواں ہے اور وہ تمام شکریہ کے مدارج ان کی ہی خدمت میں بصدق دل پیش کرتا ہے-
>
> ''گر قبول افتد زہے عز و شرف''
>
> (الفضل ۳؍مئی ۱۹۲۳ء ص۲)

اپریل ۱۹۲۷ء کو آپ پٹھان کوٹ میں آریوں سے مباحثہ کے لئے تشریف لے گئے لیکن آریہ مناظر اپنے سابقہ تجربہ کی بناء پر اس مرد میدان کے ٹھوس علم اور مضبوط دلائل سے خوف زدہ ہو کر میدان چھوڑ گئے اس موقع پر

مسلمانان پٹھان کوٹ نے شہر میں جناب حافظ صاحبؓ کا جلوس نکالا - اور کئی تقریریں کرائیں- جن کے سننے کے لئے دور دور سے مسلمان بکثرت آئے- اور اس حامی دین اسلام کے بیان کردہ مواعظ سے مستفیض ہوئے نوجوانوں نے ان جلسوں کے انتظام میں نہایت جوش سے حصہ لیا-

(ملاحظہ ہو الفضل ۲۹/اپریل ۱۹۲۷ء ص ۱)

جن علماء سے آپ نے اپنی زندگی میں مناظرے کئے ان میں سے مسلمانوں سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور آریوں میں سے پنڈت شانتی سروپ، پنڈت پورنانند پنڈت پریم ناتھ کے علاوہ مشہور آریہ مناظر پنڈت دھرم بھکشو اور پنڈت رام چند دہلوی قابل ذکر ہیں-

فروری ۱۹۲۳ء میں جلال پور جٹاں میں آپ نے ایک سنی، شیعہ مباحثہ میں اہل سنت والجماعت کی طرف سے مسلمانان شہر کی دعوت پر ایک کامیاب مباحثہ کیا- اپنی افادیت کے پیش نظر منتظمین کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا-

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''مباحثوں کی وجہ سے جماعت میں اتنے مقبول ہوئے کہ مجھے یاد ہے اس وقت ہمیشہ جماعتیں یہ لکھا کرتی تھیں کہ اگر حافظ روشن علی صاحب اور میر محمد اسحاق صاحب نہ آئے تو ہمارا کام نہیں چلے گا-'' (الفضل ۱۹/نومبر ۱۹۴۰ء ص ۴)

تصوف:

جیسا کہ ابتدائے مضمون میں بیان کیا گیا ہے- حضرت حافظ صاحبؓ صوفیاء کے ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے- آپ کی پیدائش اور تربیت خاص تصوف کی فضا میں ہوئی- آپ نے نہ صرف اپنی زندگی میں تصوف کا نہایت غائر نظر سے مطالعہ کیا- بلکہ آپ میدان تصوف کے شاہ سوار تھے- انگلینڈ کے سفر میں آپ نے ویمبلے کانفرنس میں تصوف کے موضوع پر ایک عظیم الشان تقریر فرمائی ہے اس تقریر میں آپ نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے-

> ''راقم الحروف کا تعلق قادری نوشاہی سلسلہ کے ساتھ ہے- اس سلسلہ کے بانی محمد حاجی تھے- جو گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں- بوجہ علم وتقویٰ وپرہیزگاری کے ان کی بڑی مقبولیت ہوئی- حتٰی کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان کے مریدین سے خالی ہو- ان کی وفات کے بعد اس سلسلہ کی خلافت گیارہ پشتوں سے ہوتی ہوئی اس خاکسار کو ملی- اور یہ خاکسار بطور ورثہ کے اس کا حامل ہے- میری پیدائش اور تعلیم وتربیت خاص تصوف کی فضا میں ہوئی ہے- اور میرے خاندان کے دوست لوگ عموماً علمی مذاق اور مزاج کے تھے جن کا اس زمانہ کے لوگوں پر بہت بڑا اثر تھا-

عنفوان شباب ہی سے علمی شغل کے علاوہ
مجاہدات اور ریاضات بھی میرا شغل رہا ہے- دراصل میری زندگی تحصیل علوم اور ریاضت میں گزری ہے- مدت گزری میں نے محسوس کیا تھا کہ ہمارا سلسلہ بھی صراط مستقیم سے دور جا پڑا ہے بجائے تقویٰ و طہارت و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کے وہ لوگ اتنے گر گئے تھے کہ ان میں مشرکانہ رسمیں پیدا ہوگئی تھیں- بجائے خداوند تعالیٰ کی محبت کے ان میں امرد پرستی آ گئی تھی- اس طریقے کے ممتاز لوگ عبادت اور ریاضت مراقبے اور غور و خوض میں مشغول رہتے تھے- اور ان کی زندگی دوسروں کے لئے مفید تھی- وہ خدا اور بنی نوع انسان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اپنے نفس کو بھول جاتے- لیکن اب ایک جھوٹی فراموشی نفس بھنگ اور شراب پی کر اور منوم بوٹیوں کے استعمال سے پیدا کی جاتی ہے- اگلے لوگ خداوند تعالیٰ کی یاد میں بے خود ہو جاتے- لیکن یہ لوگ مستی کی بے خودی میں درختوں اور ستونوں کے ساتھ الٹے لٹک کر شور و غل کیا کرتے ہیں-

بجائے اس کے کہ باہر نکل کر لوگوں کی بھلائی کرتے- یہ لوگ اب آوارہ گردی کرتے ہیں- چنگ و رباب کے ساتھ رقص و سرور میں مبتلا ہیں اس آوارہ گردی کو یہ لوگ حج اور زیارت کہتے ہیں- بجائے محبت الٰہی کے ان کے دلوں میں

امرد پرستی آ گئی ہے- جس کو وہ عشق مجازی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عشق مجازی عشق حقیقی کا پیش خیمہ ہے اور بغیر اس کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوسکتا- یہ باتیں بہتوں کی تباہی کا باعث ہوئیں- تصوف کی آڑ میں وہ بہت سے گناہ کا ارتکاب کرنے لگے- جس کا نام اخلاق پرہیزگاری تھا- وہ اب گر کر ان کے لئے رذالت اور عیاشی سے بدل گیا- ان حالات میں میں خدا کی طرف متوجہ ہوا- اور اس نے از راہ کرم بذریعہ الہام اور کشوف کے مجھ پر ظاہر کیا کہ حقیقی صوفی احمد قادیانی ہے اور چونکہ میرے مطالعہ علمی نے بھی یہی بات بتائی- اس لئے میں نے اس امر میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کیا کہ اپنی اہم چیزوں کو اس سرچشمہ ہدایت سے سیراب ہونے کے لئے جو احمد قادیانی کی ذات میں پھوٹ پڑا ہے قربان کردوں میں نے اس آسمانی شراب اور آب حیات کو نہایت خلوص و عقیدت سے چکھا- میں تمام لوگوں کو اس صداقت کی طرف دعوت دیتا ہوں جسے عشق الٰہی نے مجھ پر کھول دیا ہے- مبارک وہ جو حق کی پیروی کرتے ہیں-'' (مجمع البحرین-صفحہ آخر)

اس تقریر میں آپ نے ''تصوف اور اسلام'' کے عنوان کے ماتحت صحیح تصوف پیش کیا ہے- آپ فرماتے ہیں-

''اسلام اور ابتدائی تصوف کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا حقیقی تعلق خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہونا

چاہئے۔ بیوی کی خبر گیری اور بچوں کی تعلیم و تربیت انسان کا فرض منصبی ہیں۔ اطاعت الٰہی کا غلط مفہوم سمجھ کر یکسوئی کے خیال سے اب صوفیوں نے ترک دنیا کا مسئلہ ایجاد کیا ہے ان کی مثال اس گھوڑے کی ہے جو بغیر بوجھ اور گاڑی کے دوڑتا ہو۔ لیکن بوجھ رکھنے اور جوا ڈالنے کے ساتھ ہی رک جاتا ہو۔ اور دولتیاں جھاڑنے لگتا ہو۔ تصوف اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ باوجود رکاوٹ اور زدوکوب کے انسان کھڑا ہونا۔ چلنا اور دوڑنا سیکھے۔ تا کہ اس کے جوہر ذاتی نکل جائیں۔ ان تمام لوگوں کی خبر گیری کرنا دراصل عبادت الٰہی کا ایک جزو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے اس قانون پر زور دیا ہے کہ **لا رھبانیة فی الاسلام**

آپ کی اس تقریر کے متعلق حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ جو ان دنوں انگلینڈ کے مبلغ تھے تحریر کرتے ہیں کہ:

''مولانا کی آمد کی خبر سن کر اور منتظمان کانفرنس کے ارادہ کو مدنظر رکھ کر میں نے حافظ صاحب مرحومؓ کا نام ان کے خاندانی صوفی پیر ہونے کے سبب ان کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کر کے پیش کر دیا جو سر آرنلڈ اور دوسرے مستشرقین نے پسند کیا اور دوسرے مقرر کا نام نکال کر حضرت حافظ صاحبؓ کا نام رکھ دیا۔ کانفرنس نے آپ کے مضمون۔ آپ کی تلاوت قرآن اور مثنوی کے پڑھنے کو

نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور مشرق کے ممتاز سبز عمامہ پوش لوگوں میں صوفی روشن علی کانفرنس والوں کی آنکھ میں خاص توجہ سے دیکھے گئے۔''

(الفضل ۱۲؍جولائی ۱۹۲۹ء ص ۸)

ویمبلے مذہبی کانفرنس کے صدر کے ایک تار سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحبؓ کی اس تقریر کو لنڈن میں کس قدر قبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ وہ آپ کو ایک تار میں اطلاع دیتے ہیں:

''جناب صوفی حافظ روشن علی صاحب میں خوشی کے ساتھ آپ کو اس بات کی اطلاع دیتا ہوں کہ وہ لیکچر جو گذشتہ کانفرنس مذاہب کے موقع پر پڑھے گئے۔ ان کو بہت جلد ایک جلد میں چھپوانے کا انتظام میسرز گیرلڈ ڈک ورتھ اینڈ کو آف ہنری اینتھ سٹریٹ کرنٹ گارڈن لنڈن ڈبلیو۔سی کے ساتھ کر لیا گیا ہے۔ ایک جلد کی قیمت سولہ شلنگ ہوگی۔ محصول ڈاک اس کے علاوہ ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہر ممکن کوشش کر کے اپنے دوستوں میں یہ تحریک کریں گے کہ وہ براہ راست پبلشر سے اس کی کاپیاں منگوائیں اور ایک آپ کی ذات کے لئے بھیجی جاوے گی۔

آپ کا لیکچر تھوڑے سے اختصار کے بعد چھاپ دیا جائے گا۔ جس کے متعلق اس بات کی خاص طور پر خواہش کی جاتی ہے کہ کسی اور پبلشر کو اصل مسودہ نہ دیا

جاوے۔ کیونکہ میسرز ڈک ورتھ نے کمال مہربانی سے اس
کام کے کرنے کا پورا ذمہ اٹھا لیا ہے۔ ہمیں مختلف اطراف
سے خبریں پہنچ رہی ہیں کہ کانفرنس کو غیر معمولی کامیابی
حاصل ہوئی ہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ کے
اس کام میں حصہ لینے کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔
آپ کا نہایت وفا شعار، صدر منتظم کمیٹی۔''

(الفضل ۲ رمئی ۱۹۲۵ء ص۲)

ہندوستان کے متعدد مشہور مقامات مثلاً بنگلور اور آگرہ وغیرہ میں آپ نے تصوف پر شاندار تقاریر فرمائی ہیں۔ ان تقاریر میں آپ نے صحیح اسلامی تصوف کو پیش کر کے دنیا کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اس وقت صحیح اسلامی تصوف کا نمونہ اگر پایا جاتا ہے تو صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید سے گہرا تعلق:

قرآن کریم کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ میں انہیں تفسیر قرآن میں ایک بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ کو اس فن میں کامل ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دینا آپ کا خاص اور پسندیدہ شغل تھا۔ بیسیوں دفعہ آپ نے قرآن کریم کا مکمل درس دیا۔ رمضان کے مہینہ میں آپ ظہر سے عصر تک باقاعدہ درس دیا کرتے۔ اور آپ کا یہ طریق

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۷ء تک جاری رہا۔ اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ناسازی طبع کے دوران آپ کو اپنی جگہ درس قرآن کے لئے مقرر فرمایا آپ اس درس و تدریس کے کام سے کبھی اکتاتے نہیں تھے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس دیا۔ عشاء کے بعد وہاں بخاری شریف کا درس دیا۔ اور نماز فجر کے بعد مہمان خانہ یں قرآن شریف کی روحانی غذا بندگان خدا کو پہنچائی۔

حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے شدید محبت اور عشق تھا۔ قرآن کریم آپ کی غذا تھی۔ قرآن کریم ہی آپ کی جان تھی۔ بعینہ وہی تعلق قرآن کریم سے حضرت حافظ صاحبؓ کو تھا۔ آپ کی مجلس میں بھی ہمیشہ قرآن کریم کا ذکر رہتا اور آپ اس کا درس معمولاً بڑے شوق سے دیا کرتے۔

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آپ کے درس قرآن کریم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حافظ روشن علی صاحب مکرم جس جواں ہمتی و
پیرانہ فرزانگی و وسعت معلومات کے ساتھ رمضان
المبارک میں ایک پارہ روزانہ درس بین الظہر والعصر دیتے
رہے۔ وہ انہی کا حصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔
آپ پہلے تمام پارے کی تلاوت فرماتے۔ پھر ترجمہ اردو
سناتے مگر اس حسن ترتیب و احتیاط کے ساتھ کہ مجال کیا ہے
جو کوئی آیت آگے پیچھے ہو جائے یا کوئی لفظ تو درکنار حرف
بھی چھوٹ جائے۔ یہ مسلسل ترجمہ بغیر آیت ساتھ ساتھ

پڑھنے کے آپ کے کمال حافظہ و تجر علمی کی دلیل ہے- اس کے بعد ہر رکوع پر ایک تفسیری بیان دیتے-''

(الفضل ۲۹ رمئی ۱۹۲۲ء ص ۱۰)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں:

''بیسوں دفعہ خدا کی بزرگ کتاب کا پورا درس دیا- ہزاروں لوگ آپ کے علم سے مستفید ہونے والے ہیں- برسوں تک ہر رمضان میں شدید گرمیوں میں روزہ رکھ کر آپ ایک پارہ کا روزانہ درس دیتے رہے- اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے پارہ پڑھ لیا کرتے- پھر بلا تامل ترجمہ بیان کرتے- پھر ضروری مطالب بیان فرماتے- قرآن کریم کے قریباً سب سے زیادہ عالم تھے اور صرف عالم ہی نہیں- بلکہ نہایت متقی اور باعمل عالم تھے-''

(الفضل ۲۸ رجون ۱۹۲۹ء ص ۷)

آپ کو قرآن کریم سے کس قدر عشق تھا- اس کے متعلق آپ کے شاگرد مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی کی زبان سے سنئے آپ فرماتے ہیں:

''آخری بیماری کے دنوں کا واقعہ ہے کہ رمضان شریف میں درس دینے کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا اور رمضان بالکل قریب تھا آپ نے اس بات کا اظہار کیا کہ اگر امسال قرآن کریم کا درس نہ ہوا تو مجھے سخت تکلیف ہوگی- میں نہیں چاہتا کہ حضرت خلیفہ اولؓ کا شروع کیا ہوا

یہ مبارک کام بند ہو- اس کے متعلق کوشش کرنی چاہئے- چنانچہ اس سے اگلے روز صبح ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں خط لکھوایا- اور جب تک آپ کو اطمینان نہیں ہوگیا- کہ درس کا انتظام ہو گیا ہے آپ کو چین نہیں آیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ درس کا انتظام ہوگیا ہے بڑی خوشی کے ساتھ الحمدللہ کا لفظ کہا- اور اطمینان کا سانس لیا- پھر فرمایا- خدا کرے- اور مولوی صاحب (حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ) کو بہت بہت توفیق دے- کہ سارے رمضان میں سارا درس قرآن ختم ہو جائے- جوں جوں مولوی صاحب کا درس باقاعدہ روزانہ ایک پارہ ہوتا جاتا- اتنا ہی آپ خوشی محسوس کرتے- ان کے لئے دعا کرتے اور اختتام پر مولوی سید سرور شاہ صاحب کو مبارکباد دی-''

(الفضل ۶ راگست ۱۹۲۹ء ص ۸)

آپ علم تجوید کے ماہر اور بڑے خوش الحان قاری تھے- آپ کی قرات سن کر کئی غیر احمدی اور غیر مسلم بھی مسحور ہو جاتے تھے اور پھر نکات قرآنیہ بتاتے ہوئے انہیں نہ صرف اپنی طرف منسوب ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ہر بات کی سند آپ اپنے بزرگ استاد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ تک پہنچاتے- اور ہر ایک قرآنی نکتہ کو آپ کی طرف منسوب کرتے- اور اس میں بڑی راحت محسوس کرتے- آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے زیادہ محسن کشی اور

احسان فراموشی کوئی نہیں کہ انسان اپنے چشمہ فیض کو سیر ہو جانے کے بعد بھول جائے۔ نیز فرمایا کرتے کہ۔ خدا تعالیٰ کے انعامات اور برکات کے جذب کرنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے بڑوں کا ذکر خیر کرتا رہے اور جو خوبی اسے کسی محسن سے حاصل ہوئی ہے اس خوبی کو اس محسن کی طرف ہی منسوب کرے۔ آپ درس دیتے ہوئے عربی لفظوں کے معانی بتاتے ہوئے قرآن کریم سے استشہاد پیش فرمایا کرتے اور اس کی نصیحت اپنے شاگردوں کو بھی فرماتے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں درس القرآن کی اختتامی دعا کے موقع پر فرمایا:

''حافظ روشن علی صاحب مرحوم جو ہمیشہ درس دیا کرتے تھے۔مَیں سمجھتا ہوں ان کا بھی حق ہے کہ احباب انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔''

(الفضل ۲۷ رجنوری ۱۹۳۵ء ص ۸)

میدان تبلیغ کے کامیاب اور آزمودہ کار جرنیل:

حضرت حافظ صاحبؓ کو تبلیغ کا ایک جنون تھا۔ اور تبلیغ کرتے ہوئے غیر احمدی، غیر مبائع، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی غرضیکہ ہر مذہب وملت کے ماننے والوں سے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ خلافت ثانیہ کے قیام کے معاً بعد حضرت حافظ صاحبؓ نے ملک کے طوفانی دورے کر کے ایک طرف جماعت احمدیہ کے افراد کو خلاف کے ساتھ وابستہ کرنے میں عظیم تر

کوششیں کیں۔ اور دوسری طرف ہندوستان کے ہر مذہب وملت کے ماننے والوں کے ساتھ احمدیت اور اسلام کی صداقت کو واضح کیا۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کو منوایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی شان بیان کی۔ آپ جہیر الصوت تھے۔ اور خوش الحان بھی تھے۔ صبر وتحمل کا مادہ آپ میں وافر پایا جاتا تھا۔ فتنہ وفساد کے وقت آپ کی طبیعت میں جوش پیدا نہ ہوتا تھا۔ آپ میں خوش خلقی، خوش کلامی کی صفات اور ایک خاص قسم کا جذب اور کشش پائی جاتی تھی کہ لوگ آپ کی تقریر اور گفتگو کو نہایت توجہ اور شوق سے سنتے تھے۔ اور پھر آپ کی تقریر اور گفتگو اس قدر مؤثر اور مدلل ہوا کرتی تھی کہ سامعین اچھا اثر لئے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ادھر آپ کسی جلسہ میں تقریر کر کے ہٹے اور ادھر بیسیوں آدمیوں نے بیعت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

ایک موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:

''ہم چاہتے ہیں کہ کچھ آدمی ایسے منتخب کئے جائیں جو تبلیغ کے کام کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر دیں اور دوسری کسی بات سے غرض نہ رکھیں۔ ہر قسم کے مصائب اٹھائیں اور ہر جگہ پر نکلیں اور خدا کی باتیں پہنچائیں۔ صبر اور تحمل سے کام لینے والے آدمی ہوں۔ ان کی طبیعتوں میں جوش نہ ہو۔ ہر ایک سخت کلامی اور گالی کو سن کر آگے نرمی کے ساتھ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ جہاں دیکھیں کہ شرارت کا خوف ہے وہاں سے چلے جائیں اور فتنہ و

فساد کے درمیان اپنے آپ کو نہ ڈالیں اور جہاں دیکھیں
کہ کوئی سعید آدمی ان کی بات سنتا ہے اس کو نرمی سے
سمجھائیں ...... آہستگی اور خوش خلقی سے اپنا کام کرتے
ہوئے چلے جائیں۔''

(بحوالہ الفضل ۲۷؍مارچ ۱۹۲۲ء ص ۹)

اس اقتباس میں مبلغ کے لئے جن ضروری باتوں کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ بدرجہ اتم حضرت حافظ صاحبؓ میں پائی جاتی تھیں آپ نے تبلیغ اور تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ اور ہر موقع و محل میں ہر شہر اور قریہ اور ہر مذہب و ملت کے آدمیوں تک آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے نہ اپنی بیماری کا خیال کیا نہ آپ سفر کی صعوبتوں سے ڈرے اور نہ کسی اور کا خیال دل میں لائے اگر ایک اخبار میں آپ نے یہ خبر پڑھی کہ حضرت حافظ صاحب پشاور میں تبلیغی فریضہ سرانجام دینے تشریف لے گئے ہیں تو چند دن کے بعد ہی آپ سنیں گے کہ آپ بنگال کا دورہ کر رہے ہیں اور وہاں سے قادیان واپس آتے ہیں پھر سندھ کے دورہ پر روانہ ہو گئے ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ آپ کو ممالک غیر میں بھی تبلیغ کا موقعہ ملا۔ ۱۹۲۴ء میں جب آپ یورپ کے سفر پر تشریف لے گئے تو حضور کے ارشاد کے ماتحت آپ نے عرشہ جہاز پر یہودیوں کو پیغام حق پہنچایا۔ بیت المقدس میں یہودی علماء کو پیغام حق پہنچایا۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۴؍ستمبر ۱۹۲۴ء ص ۴)

قاہرہ میں خلافت کے متعلق علماء کو مسلمانوں کی غلطیاں ٹھوکریں اور

تلون بتایا اور پھر ان کے سامنے اپنا عقیدہ بڑی وضاحت سے پیش کیا۔

(ملاحظہ ہو الفضل ۲؍ستمبر ۱۹۲۴ء ص ۵)

شام میں آپ کو تبلیغ حق کا موقع ملا۔ دمشق میں کئی ایک تقاریر کیں۔ اور ان سے ہر فرقہ کے علماء نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حظ اٹھایا۔ ایک تقریر کے متعلق نامہ نگار الفضل لکھتا ہے کہ:

''سب علماء خاموش ہیں۔ سب امراء اور شرفاء
ہمہ تن گوش ہیں۔ تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔ اکثر لوگ کھڑے
تقریر سن رہے ہیں۔'' (الفضل ۶؍ستمبر ۱۹۲۴ء ص ۶)

دمشق اور قاہرہ میں آپ انفرادی طور پر بھی رؤساء اور علماء سے ملے اور انہیں تبلیغ حق کی انگلینڈ میں آپ نے ویمبلے کانفرنس کے موقعہ پر تصوف کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے اہل یورپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ چند انگریزی الفاظ اور ہاتھوں کے بعض اشاروں کی مدد سے آپ نے انگریز تعلیم یافتہ طبقہ کو خدا تعالیٰ کے مامور کا پیغام پہنچا۔ پیرس میں نہ صرف آپ نے یہودیوں، عیسائیوں، چینیوں، دہریوں مشرقی مصنّفین اور مشرقی سفراء کو تبلیغ کی۔ بلکہ وہاں حضرت کے ارشاد کے ماتحت تبلیغی پروگرام مرتب کرنے والی ایک سب کمیٹی کے اجلاس کی صدارت بھی کی۔

(ملاحظہ ہو الفضل یکم دسمبر ۱۹۲۴ء)

مرکز میں آپ مرکزی مبلغ کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے سابق صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، سابق صوبہ پنجاب، یوپی، سی پی، برار، اودھ، بہار، مدراس، بنگال اور صوبہ بمبئی کے علاوہ قریباً تمام مشہور ریاستوں مثلاً

کشمیر، حیدر آباد دکن، میسور، پٹیالہ وغیرہ کے کامیاب دورے کئے۔ گویا آپ نے ہندوستان کے ہر کونہ میں پیغام مسیح پہنچایا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بڑے اعلیٰ طریق سے پہنچایا۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے پنجاب کو تین تبلیغ حلقوں میں تقسیم کیا اور ان میں مبلغین کا تقرر کیا۔ اور فرمایا۔

> ''ان علاقوں کی تقسیم سے یہ غرض ہے کہ آہستہ آہستہ تمام ملک کو اسی طرح تبلیغ کے لئے تقسیم کر دیا جائے جس طرح گورنمنٹ ضلع اور کمشنریاں بناتی ہے۔ اور ان میں کمشنر اور ڈپٹی کمشنر مقرر کرتی ہے۔ جو اپنے علاقہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ مبلغ اپنے اپنے ضلع کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور ان کا فرض ہوگا کہ وہ اس مدت میں ان ضلعوں کا نقشہ بدل دیں۔''

(الفضل ۱۶؍مارچ ۱۹۲۲ء ص ۶)

اس موقعہ پر حضور نے حافظ روشن علی صاحبؓ کے سپرد ضلع گورداسپور کا علاقہ کیا اور فرمایا:

> ''حافظ صاحب کو گو فارغ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ان کے ساتھ مبلغین کلاس کے طالب علم ہیں اس لئے میری عقل کہتی ہے کہ جس قدر ان کے پاس وقت ہے ایک سال میں ہی اس ضلع میں کام کر سکتے ہیں۔''

(الفضل ۱۶؍مارچ ۱۹۲۲ء ص ۶)

مبلغین کے استاد:

حضرت حافظ صاحبؓ نہ صرف خود کامیاب مبلغ تھے۔ بلکہ مبلغ گر بھی تھے۔ تبلیغ کے میدان جہاد کے نہ صرف خود ایک کامیاب اور تجربہ کار جرنیل تھے۔ بلکہ آپ جرنیل گر بھی تھے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے قادیان میں جو سب سے پہلی باقاعدہ تبلیغی کلاس کھولی گئی۔ اس کے آپ پہلے اور اکیلے استاد مقرر ہوئے۔ آپ نے اپنے طلباء کی اس طرح تربیت کی جس طرح ایک مرغی اپنے پروں کے نیچے رکھ کر اپنے بچوں کی تربیت و پرورش کرتی ہے اور حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ جماعت احمدیہ کے تمام مبلغ بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے ہی چشمہ علم سے سیراب ہوئے ہیں۔ اور پھر ان کے ذریعہ اکناف عالم میں سعید روحوں کو احمدیت میں شامل ہونے کی جو توفیق ملی ہے۔ اس کا ثواب صدقہ جاریہ کے طور پر یقیناً آپ کو پہنچ رہا ہے۔ آپ کے تیارہ کردہ شاگردوں میں سے ایسے قابل اور فتح نصیب جرنیل پیدا ہوئے جنہوں نے تبلیغی جہاد کے ہر میدان میں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کر کے آپ کے سر کو ہمیشہ ہی بلند رکھا۔ اور اپنی ان بے مثال سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کے دو عظیم شاگردوں یعنی مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کو جنہیں آپ کی زندگی میں آپ کی توجہ کا وافر حصہ ملا۔ ''خالد'' کے قابل قدر خطاب سے نوازا گیا۔

(الفضل ۱۵؍مارچ ۱۹۵۷ء)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مبلغین کی ایک کلاس عارضی طور پر ۱۹۱۴ء میں بھی جاری کی گئی تھی جس میں تعلیمی قابلیت کا کوئی معیار نہ تھا۔ اس تبلیغی کلاس کی

گوسرپرستی حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضلؓ کے سپرد تھی - لیکن متعدد علماء اس میں لیکچر دیا کرتے تھے - اس کلاس کا دوبارہ اجراء بعد میں بھی کیا گیا - لیکن باقاعدہ کلاس کا ۱۹۲۰ء میں اجراء ہوا - جس میں مولوی فاضل طلباء کو لیا گیا - اور اس میں کامیاب ہونے والوں کو مبلغ کے نام سے نوازا گیا - اس کی نگرانی تربیت اور تعلیم کا کام مکمل طور پر حضرت حافظ صاحبؓ کے ہی سپرد تھا - اور اس غرض کے لئے کہ حضرت حافظ صاحب اپنا زیادہ وقت اس تبلیغی کلاس میں دے سکیں - ناظر تالیف واشاعت کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا گیا تھا -

''مبلغین تیار کرنے کے لئے حافظ روشن علی صاحب کو تالیف کے دفتر سے فارغ کر کے ایک باقاعدہ کلاس ان کے سپرد کی گئی ہے - جس کا کورس دو سال کا ہو گا - اور اس عرصہ میں حافظ صاحب کو دارالامان سے باہر نہ بھیجا جائے گا - تاکہ اس کلاس کا ہرج نہ ہو - اس لئے چاہئے کہ بیرون جات سے احباب ان کے بلوانے کے لئے کوئی درخواست نہ ارسال فرماویں -''

(الفضل ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء)

آپ کو تبلیغ کا کس قدر شوق تھا - اس کا اس بات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وفات سے چند منٹ قبل آپ نے اپنے موجود شاگردوں کو بلا کر فرمایا:

''میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں -''

(الفضل ۲۸ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۲)

انسان جب دیکھتا ہے کہ اب میں اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں تو

وہ اپنی بیوی بچوں اور عزیزوں کو ضروری نصائح کرتا ہے ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی ہدایت دیتا ہے انہیں تسلی وتشفی دیتا ہے - لیکن حضرت حافظ صاحبؓ کو موت کے قریب ترین وقت میں بھی اگر کسی چیز کا فکر تھا - تو وہ تبلیغ تھی اور اس کی بڑی فکرمندانہ انداز سے اپنے شاگردوں کو نصیحت فرما رہے ہیں -

خویشوں کو تبلیغ:

پھر حضرت حافظ صاحبؓ میں ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ اگرچہ آپ اپنے آبائی موضع رنمل سے چھوٹی عمر میں ہی آ گئے تھے اور آپ نے بچپن کا زمانہ اور پھر نوجوانی کا ابتدائی حصہ وزیرآباد میں اپنے ننھیال کے پاس گذارا اور پھر قادیان تشریف لے آئے اور وہیں کے ہو رہے لیکن **انذر عشیرتک الاقربین** کی ہدایت کے ماتحت آپ نے اپنی برادری کو بھلایا نہیں - بلکہ جب بھی مفوضہ فرائض سے فرصت ملی - آپ موضع رنمل پہنچ جاتے رہے - اور اجتماعی تبلیغ کے علاوہ انفرادی طور پر بھی پیغام حق پہنچاتے رہے اور قرآن کریم کے حقائق و معارف سے بھی اپنے خاندان کے افراد کو بہرہ اندوز کرتے رہے -

تبلیغی دوروں میں آپ کا قابل تقلید نمونہ:

آپ کی نظر کمزور تھی اور نہ صرف آپ کی صحت زیادہ اچھی نہیں تھی بلکہ جسم بھی فربہ تھا - مگر اس کے باوجود آپ نے تبلیغ کے سلسلہ میں تمام ہندوستان کے طوفانی دورے کئے - اور کبھی بھی ان سفروں کی وجہ سے کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا - آپ سفروں میں نہایت جفاکش تھے - سفر میں کسی دوسرے پر اپنا بوجھ نہیں ڈالتے تھے ہاں

دوسروں کا بوجھ بٹانے کے لئے ہر دم مستعد رہتے تھے- اور جب کسی سفر میں تبلیغی وفد یا کسی اور صورت میں قافلہ کے امیر ہوتے- تو آپ نے ہمیشہ اپنے رفقاء کے آرام وآسائش کا خیال رکھا- اور اپنی سہولت پر ان کے آرام کو مقدم رکھا آپ کے عمل میں صحیح خادمانہ کیفیت پائی جاتی تھی- اور سفر میں آپ اپنے ہمراہیوں سے نہایت نرم اور خوش اخلاق رہتے-

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ جو آپ کے شاگردوں میں سے خاص امتیاز کے حامل تھے-تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ کے ساتھ میں نے دہلی، مونگھیر، بھوپال، ڈیرہ دون، منٹگمری، پٹیالہ، سیالکوٹ، لاہور، نارووال، گجرات، جلال پور جٹاں، مالیر کوٹلہ وغیرہ شہروں کا دورہ کیا- مگر ایک دفعہ بھی مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملا- آپ نہایت متواضع بلکہ مجسم محبت تھے- آپ خوش مزاج ملنسار طبیعت رکھتے تھے- مجھے یاد ہے جب میں آپ کے ہمراہ بھوپال گیا-تو راستہ میں دہلی سے ہمیں بمبئی میل پر سوار ہونا پڑا- اس وقت مجبوراً سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا پڑتا تھا- اور اتنا کرایہ ہمارے پاس نہ تھا آخر ایک سرونٹ ٹکٹ لیا- آپ ان دنوں کچھ مریض بھی تھے مگر یہ امر آپ پر سخت گراں گزرا- آپ بارہا مجھ سے راستہ میں سٹیشنوں پر اتر کر فرماتے- آؤ جگہیں تبدیل کرلیں-مگر میں نے منظور نہ کیا-''

(الفضل ۲۶/جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

شاگردوں سے محبت اور شفقت کا سلوک:

حافظ صاحب کی عمر کا اکثر حصہ تعلیم اور تدریس میں ہی گذرا- اور اس وقت جماعت کا ہر نوجوان آپ کا شاگرد تھا- لیکن ۱۹۲۰ء سے جب کہ آپ کے سپرد تبلیغی کلاس کی گئی آپ تا وفات باقاعدہ معلم کے فرائض ادا کرتے رہے- آپ اپنے شاگردوں سے نہایت بے تکلف تھے- اور ان سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے- انہیں جس بات کی ضرورت ہوتی وہ بلاجھجھک آپ سے بیان کر دیتے- اور آپ خود ہی اسے انجمن میں پیش کر کے فیصلہ کرواتے- آپ شاگردوں کے حقوق کی ہر وقت نگہداشت فرماتے- ان کے حالات کا خیال رکھتے- اور ان کی دینی و دنیوی حالت کی اصلاح کے لئے پوری پوری کوشش فرماتے- اکثر ایسا ہوتا کہ شاگردوں کی تکلیف یا دکھ کا خود ہی احساس کر کے اس کا ازالہ فرما دیتے- انہیں آپ سے کہنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی- اگر کوئی شاگرد چند دن نظر نہ آتا- تو کسی سے اس کے حالات دریافت فرماتے- اور اکثر خود اس کے گھر جا کر اس کا پتہ کرتے-مکرم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی فرماتے ہیں کہ حالت فالج میں بھی جب آپ بستر پر بے حرکت پڑے ہوئے تھے- آپ کو اپنے شاگردوں کا اس قدر خیال تھا کہ میری اور مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری کی اہلیہ بیمار تھیں- آپ نے مستورات کو ہمارے گھروں میں بھیج کر حالات دریافت کئے-

(ملاحظہ ہو الفضل ۷/اگست ۱۹۲۹ء ص ۷)

اپنے شاگردوں کی تعلیم کا کس قدر خیال تھا- وہ اس سے ظاہر ہے کہ جامعہ سے بوجہ بیماری آپ نے رخصت لی- جس کی وجہ سے لازماً طلباء کی تعلیم

کا ہرج ہوتا تھا اس لئے آپ طلباء کو اپنے پاس بلا کر بعض کتب کے مطالعہ کا حکم دیتے۔ اور ان سے دریافت فرماتے رہتے کہ کس قدر مطالعہ وہ کر چکے ہیں۔ مکرم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم میں سے بعض طلباء کے پاس کتابیں نہ تھیں۔ آپ کو معلوم ہوا تو بہت دکھ ہوا۔ اور آپ پر اس قدر ترحم اور رقت کی حالت طاری ہوئی کہ آپ اونچی آواز سے باچشم نم دعا کرنے لگے۔ آپ نے اپنے منہ پر کپڑا لپیٹ لیا اور قریباً آدھ گھنٹہ نہایت عاجزی سے دعا کرتے رہے۔ بیماری کے آخری دنوں میں فرمایا کرتے ۔

''کبھی کوئی مسئلہ پوچھ لیا کرو۔ مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے۔''

ایک دفعہ فرمایا:

''میں نے مولوی اللہ دتا صاحب کو بعض کتابوں کے نام لکھائے تھے اگر صحت ہوئی تو اور بھی بتاؤں گا۔ تم ان کو نوٹ کرلو اور ان کا مطالعہ کرو ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔''

(الفضل ۶ راگست ۱۹۲۹ء ص ۷)

وفات پر آپ کے شاگردوں کے تاثرات:

آپ کے شاگرد آپ کو صرف معلم ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ آپ کی بے پایاں شفقت اور کمال ہمدردی کی وجہ سے آپ کو اپنا باپ تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات پر آپ کے شاگردوں نے ایک عظیم الشان نقصان کا احساس کیا۔ جس کی تلافی ہونا ناممکن ہے اور انہوں نے صدمہ کا

اظہار اس رنگ میں کیا جس کی مثال نہیں پائی جاتی اور انہوں نے اجتماعی رنگ میں آپ کے متعلق قرارداد تعزیت پاس کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور جو لوگ اس وقت قادیان میں موجود نہ تھے۔ انہوں نے علیحدگی میں اپنے آنسو بہائے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے بلاد عربیہ سے اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

''ایسے شفیق اور مہربان استاد کا جدا ہونا کوئی معمولی حادثہ نہیں اے ہمارے محبوب اور بزرگ استاد تو ہمیں اپنی زندگی میں بھی محبوب تھا۔ اور بعد الموت بھی محبوب ہے۔ کون ہے جو تجھے مردہ کہہ سکے تو شہید ملت ہے تو زندہ ہے جب تک کہ یہ سلسلہ دنیا میں قائم ہے۔ اور جب تک کہ تیرے شاگرد زندہ ہیں۔ اور وہ اس کام کو جس کے لئے تو نے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا جاری رکھیں گے۔ الوداع اے عندلیب گلشن احمد الوداع۔ جا اور مالک گلشن کی بزم میں خوش خوش جنت میں جا۔ ہاں ملیک مقتدر کے قرب میں جا اور مقعد صدق پر جلوہ افروز ہو۔ قابل رشک تھی تیری زندگی اور قابل رشک ہے تیری موت۔''

(الفضل ۲۶ رجولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

پھر فرماتے ہیں:

فُجِعَتْ جَمَاعَتُنَا بِمَوْتِ هَزَارِهَا
فَغَدَتْ تُوَدِّعُ فِيْهِ كُلَّ قَرَارِهَا
ثَكِلَتْ اِمَامًا جَهْبَذًا فِيْ شَخْصِهٖ
فَبَكَتْ عُيُوْنُ كِبَارِهَا وَصِغَارِهَا
فَقَدَتْ خَطِيْبًا مُصْقِعًا بَحَّاثَةً
عَضُدًا قَوِيًّا كَانَ مِنْ نُظَّارِهَا
مَنْ لِلْمَعَارِفِ وَالْحَقَائِقِ بَعْدَهٗ
مَنْ مُحْسِنٌ وَقَّا عَلٰى أَوْتَارِهَا
قَدْ كَانَ حِصْنَ رِيَاضِهَا وَبِهَدْمِهٖ
طَغَتِ الرِّيَاحُ عَلٰى شَذَا اَزْهَارِهَا
قَدْ كَانَ مُجْتَهِدًا وَأَفْنٰى حَيَاتَهٗ
لِيُعِيْدَ لِلْاِسْلَامِ شَمْسَ فِخَارِهَا
شَهِدتْ لِقُوَّةِ بَأْسِهٖ وَدَلِيْلِهٖ
ثُبَةُ الْخَصِيْمِ بِلَوْزِهَا بِفِرَارِهَا
وَكَلَامُهُ الْوَضَّاحُ كَانَ لَالِيًا
مَنْظُوْمَةً قَدْ زُيِّنَتْ بِخِيَارِهَا
وَنِكَاتُهٗ كَانَتْ كَمِثْلِ خَرِيْدَةٍ
اِزَّيَّنَتْ بِحُلِيِّهَا وَشِعَارِهَا

قَدْ كَانَ يَنْتَهِبُ الْقُلُوْبَ بَيَانُهٗ
وَتَرَتُّلُ الْاٰيَاتِ حِيْنَ جِهَارِهَا
عَبَثًا أُحَاوِلُ اَنْ اَعُدَّ فَضَائِلًا
نَهَدَتْ اِلَيْهِ وَكَانَ مِنْ اَنْصَارِهَا
يَارَبِّ اَدْخِلْهُ الْجِنَانَ بِرَحْمَةٍ
وَامْنُنْ عَلَيْهِ بِظِلِّهَا وَ ثِمَارِهَا
وَارْحَمْ وَ عَوِّضْ عَنْهُ اُمَّتَكَ الَّتِيْ
صَبَرَتْ عَلَيْهِ بِجُهْدِهَا وَقُصَارِهَا
فَقَدَتْ خَطِيْبًا مُصْقِعًا بَحَّاثَةً
عَضُدًا قَوِيًّا كَانَ مِنْ نُظَّارِهَا

(الفضل ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۹ء ص۱)

ایک اور شاگرد مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب ان الفاظ میں آپ کی موت پر آنسو بہاتے ہیں:

اَلْهَمُّ يُقْلِقُ وَالتَّجَمُّلُ يَرْدَعُ
وَالصَّبْرُ يَعْدِمُ وَالتَّفَرُّقُ يَجْمَعُ
دَابَتْ حُشَاشَاةٌ لِبُعْدِكَ شَيْخَنَا
وَاُصُوْلُ شَعْرِيْ مِنْ فِرَاقِكَ تَجْزَعُ
وَالنَّوْمُ يَنْفُرُ مِنْ عُيُوْنِ جَمِيْعِنَا
وَالْفَرْحُ يَرْحَلُ وَ الْهُمُوْمُ تَجْمَعُ
حَلَّتْ بِصَبْرِيْ بَعْدَ بُعْدِكَ حُرْقَةٌ
وَالْقَلْبُ يَخْفِقُ وَالْعُيُوْنُ تَدْمَعُ

حَرَقْتُ فِیْ نَارٍ اَذَابَتْ مُهْجَتِیْ!
وَغَدَا بِمَوْتِکَ صَبْرُنَا لَایَرْجِعُ
وَصَلَتْ اِلَیْکَ یَدُسَوَاءٌ عِنْدَهَا
اَسَدٌ حَصُوْرٌ اَوْ عُذَابٌ اَبْقَعُ
کُنَّا نَرَاکَ مَاتَلُمُّ مُصِیْبَةٌ
اِلَّا نَفَاهَاعَنْکَ قَلْبٌ اَشْجَعُ
مَنْ لِلْمُنَاظِرِ وَالْمُبَارِ زِ بَعْدَانْ
فَقَدَتْ بِفَقْدِکَ نَیّرٌ لَایَطْلُعُ
یَارَبَّنَا اِرْحَمْ رَاسِعًامُتَوَا اِفِراً
وَاغْفِرْهُ غُفَرَاناً وَفَضْلُکَ اَوْسَعُ
وَاسْکُنُهُ فِیْ الْفِرْدَوْسِ فَضْلًا دَائِمًا
بِجِوَارِ اَحْمَدَ اِنَّهٗ یَتَشَفَّعُ

(الفضل ۳۰/دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۱)

فقہ میں آپ کا مقام:

فقہ میں آپ کا مقام جماعت میں بہت بلند تھا- آپ اس علم میں عظیم مجتہد تھے- مدتوں آپ نے اس علم کی تحصیل کی اور بعد میں سالہا سال تک تدریس- خلافت ثانیہ کے اوائل سے آپ کو سلسلہ احمدیہ کا مفتی مقرر کیا گیا تھا- اور تا وفات آپ اس ممتاز عہدہ پر فائز رہے- آپ کے فتاویٰ نہایت مختصر لیکن مدلل ہوا کرتے تھے اور آپ ان کے بارہ میں کسی اثر کو قبول نہیں فرماتے تھے- آپ کی مشہور تالیف ''فقہ احمدیہ'' ہمارے جماعت میں فن فقہ پر واحد

تالیف ہے-

آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ:

> ''فقہ کے معنے اصل تو سمجھنے اور سمجھ دار ہونے کے ہیں- مگر مسلمانوں کی اصطلاح میں فقہ ان احکام کے مدلل جاننے کا نام ہے جو عمل سے تعلق رکھتے ہوں- فقیہہ اس کو کہتے ہیں جو علم احکام دلیل کے ساتھ رکھتا ہو-''

(الفضل ۹/مارچ ۱۹۲۲ء ص ۹)

اور آپ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ ایک عظیم فقیہہ تھے-

خلافت کا احترام:

خلافت ثانیہ کے قیام کے وقت جب جماعت میں ایک زلزلہ آ گیا اور جماعت ایک عظیم فتنہ کا شکار ہوگئی تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خلافت کی تائید میں چیدہ چیدہ علماء نے کام کیا- ان میں سے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو خاص امتیاز حاصل ہے- آپ نے ان دنوں میں جماعتوں کے دورے کر کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو جماعت کے شیرازہ میں لا کر شامل کیا- اور بقول حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ فاضل مرحوم ۱۹۱۳ء کے اختلاف کے موقع پر بہت سی روحوں کے حق پر قائم رہنے کا ثواب خدا چاہے تو آپ کو ہوگا-

آپ علیٰ وجہ البصیرت اس بات پر قائم تھے کہ:

''نبی بنانا بھی اللہ کا کام ہے اور نبی کا نائب بنانا بھی اسی کا فعل ہے جیسے نبی کی نبوت کا ثبوت اللہ تعالیٰ اپنی خاص نصرت سے دیتا ہے۔ ایسے ہی ان کے جانشینوں کا ثبوت بھی اپنے فعل سے وہ دیتا ہے کیونکہ اس نے اپنے کلام میں یوں فرمایا ہے کہ خلیفہ میں بناؤں گا اور میں ہی ان کو تمکنت بخشوں گا۔''

آپ کے دل میں خلافت کا احترام اور اس کی اہمیت کا احساس احد تک پایا جاتا تھا کہ آپ نے فرمایا:

''جس مسجد میں امام خلیفہ ہو اس میں دوسری جماعت مکروہ ہے۔''

(الفضل ۶ رجنوری ۱۹۲۱ء ص ۱۷)

آپ نے اپنی زندگی میں کئی مباحثے غیر مبائعین سے کئے اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے، اور ان کے رفقائے کار کو کھلی چٹھیاں لکھ کر اختلاف کو دور کرنے کی دعوت دی۔ آپ کی ان کوششوں کے نتیجہ میں ایک خاصی تعداد غیر مبائعین کی بیعت میں شامل ہوئی۔ آپ کی انہی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کو پیغام صلح نے یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ:

''حافظ روشن علی صاحب ایک متشدد محمودی تھے۔ محمودیت کی حمائت میں انہوں نے ہمیشہ غالیانہ سپرٹ کا اظہار کیا۔''

(پیغام صلح ۹ رجولائی ۱۹۲۹ء)

انصار اللہ کی ابتدائی تنظیم میں آپ کی خدمات:

۱۹۱۱ء میں بعض جماعتی حالات کو مدنظر رکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفۃ اولؓ کی منظوری اور اجازت سے ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا جس کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ اس انجمن کے اہم فرائض میں سے تبلیغ کے کام کو وسیع کرنا جماعت کی تعلیمی حالت کو ترقی دینا۔ باہمی اتحاد پیدا کرنا۔ ذکر الٰہی پر زور دینا اور خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا تھا (تفصیل کے لئے دیکھیں الحکم ۲۸ / ۲۱ فروری ۱۹۱۱ء) اس انجمن کے ابتدائی ممبر صرف نو تھے۔ انجمن کی صدارت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ اور اس کے جنرل سیکرٹری حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ تھے۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے صدر انجمن کی ہدایت کی روشنی میں انصار اللہ کے کام کو وسیع پیمانہ پر چلایا اور ممبروں کی تعداد میں نہ صرف جلدی خاصا اضافہ ہو گیا بلکہ ان کی دینی روح جوش اور ولولہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اس انجمن نے مویدین خلافت کی تربیت کر کے انہیں اس طرح مضبوط کیا کہ باہمی اختلاف کرنے والوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ بیرونی تبلیغ کے سلسلہ میں ابتدائی مشن اسی انجمن کی کوششوں سے قائم کئے گئے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کی تبلیغ کی عمارت کی بنیادیں تعمیر کرنے والے یہی انصار اللہ کے چند ممبر تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۹۱۲ء میں سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی غیر حاضری میں قرعہ کے ذریعہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو امیر انصار اللہ مقرر فرمایا اور دوسرے ممبران کو آپ کی پوری اطاعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو الحکم ۷ رستمبر ۱۹۱۲ء ص ۵)

تعلیمی دورہ:

اپریل ۱۹۱۲ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک چھ رکنی تعلیمی وفد نے ہندوستان کی عربی درس گاہوں کا دورہ کیا- اور مدرسہ احمدیہ کی ترقی کے سلسلہ میں نصاب اور طرز تعلیم کے متعلق معلومات مہیا کیں- یہ وفد ۲/اپریل ۱۹۱۲ء کو قادیان سے روانہ ہوا اور ۲۹/اپریل ۱۹۱۲ء کو واپس آیا- اس وفد کے ارکان میں سے جن کا انتخاب حضرت خلیفہ اولؓ کے مشورہ سے عمل میں لایا گیا تھا- ایک رکن حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ بھی تھے- آپ نے اس دورہ میں لکھنؤ، کانپور، دہلی اور سہارنپور کے مدارس کے علاوہ دیو بند کے مشہور عالم عربی مدرسہ کا بھی معائنہ کیا- اور ضروری معلومات حاصل کیں- اس دورہ کے دوران بعض تبلیغی اغراض سے یہ وفد بنارس، ہردوار، گوروکل، شاہجہانپور، رامپور اور امروہہ بھی گیا-

(تفصیل کے لئے دیکھیں الحکم ۱۴/اپریل و ۷/مئی ۱۹۱۲ء)

محکمہ قضا کے انچارج:

۱۹۱۹ء میں جماعت کی وسعت کے پیش نظر اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرون جات کے احباب کے مشورہ سے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جدید انتظام قائم کیا- آپ نے مرکز میں نظارت سسٹم قائم کیا اور پھر اس کے ماتحت بعض اور ضروری شعبہ جات قائم کئے تو حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو حضور نے افتاء کے فرائض سپرد کئے-

(ملاحظہ ہو الفضل ۵/جنوری ۱۹۱۹ء)

آپ قاضی کے عہدہ کے لئے نہایت موزوں فرد تھے- جماعت کے

احمدی بچے جوان بوڑھے آپ سے محبت رکھتے تھے- اور دل و جان سے آپ کی خوبیوں کے قائل تھے- آپ نہایت بے شر تھے- کسی سے آپ کا جھگڑا نہ تھا- طبیعت نہایت مستغنی تھی- کسی سے لالچ نہ تھا- اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ بڑے وجیہہ اور بارعب تھے- اور ایسے جذب اور کشش کے مالک تھے کہ ہر شخص آپ کی بات ماننے پر ہر وقت تیار ہو جاتا- چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں لوگوں کے تنازعات کو بڑی کامیابی سے فیصل کیا- بہت سے لوگ آپ سے اپنے خانگی معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے- اور آپ پوری توجہ سے نہایت صائب مشورہ عطا فرمایا کرتے تھے- آپ ان کی خوشی اور غمی کی تقریبات میں شامل ہوتے اور عوامی مجالس میں ان کی نمائندگی کرتے- حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ نے جب قرآن کریم حفظ کیا تو اہالیان قادیان نے اپنی طرف سے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو حضور کی خدمت میں مبارکباد پیش کرنے کے لئے نمائندہ مقرر فرمایا-

(ملاحظہ ہو الفضل ۲۱-۱۷/اپریل ۱۹۲۲ء ص ۱)

ان وجوہ کی بناء پر آپ کے فیصلہ سے لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور انہیں کوئی شکوہ باقی نہیں رہتا تھا- انہیں اس بات کا احساس ہو جاتا تھا کہ حق دار کو حق دے دیا گیا ہے اور کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوئی- اور جس قاضی کے متعلق عوام میں یہ احساس پیدا ہو جائے- اس سے بڑھ کر کامیاب قاضی اور کون ہوسکتا ہے-

بعض اور دینی خدمات

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ جب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلینڈ تشریف لے گئے۔ تو ان کی جگہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ کا ممبر مقرر فرمایا۔ (الفضل ۲۹ رجولائی ۱۹۱۹ء)

آپ اس عہدہ پر تا وفات فائز رہے۔ نیز آپ مجلس شوریٰ کے ممبر اور عرصہ تک نائب ناظر تالیف و اشاعت بھی رہے۔

۱۹۱۶ء میں جماعت احمدیہ لدھیانہ نے دارالبیعت کی جہاں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی دفعہ بیعت لی تھی۔ از سر نو مرمت کی تو اس کے افتتاح کا فخر حضرت حافظ صاحبؓ کو نصیب ہوا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں افتتاح کی رسم ادا کرنے کے علاوہ دو دن تک بڑی کامیابی سے لیکچر دیئے۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۱۹ رفروری ۱۹۱۶ء)

جولائی ۱۹۲۵ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس امرتسر میں آپ نے شرکت کی اور وہاں آپ سب جیکٹ کمیٹی کے ممبر بھی چنے گئے۔

(الفضل ۸ رجولائی ۱۹۲۵ء ص ۱)

نومبر ۱۹۲۷ء میں آپ نے ندوۃ العلماء کے جلسہ منعقدہ امرتسر میں شرکت کی۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۲۹ رنومبر ۱۹۲۷ء ص ۱)

بہائی فتنہ کا بڑی مضبوطی سے مقابلہ کیا۔ (الفضل ۱۹ رفروری ۱۹۳۸ء ص ۳)

تبلیغی اور تربیتی دوروں کے علاوہ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد

انتظامی دورے کئے جلسہ سالانہ کے چندہ کے لئے بھی آپ نے دورے کئے۔ مسجد لنڈن کی تعمیر کے سلسلہ میں آپ چندہ اکٹھا کرنے کے لئے متعدد شہروں میں گئے۔ اور بڑے کامیاب و کامران واپس لوٹے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر انتظام سٹیج و جلسہ گاہ اور بعض اور قسم کی ڈیوٹیاں آپ کے سپرد ہوئیں۔ جنہیں آپ نہایت احسن طور پر سرانجام فرماتے۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تحقیق حق کرنے والوں کے سوالات اور معترضین کے اعتراضات کے جوابات دینے کا فریضہ بھی آپ کے سپرد تھا۔ غرض آپ کی زندگی نہایت مصروف رنگ کی تھی۔

خدمت دین کے لئے جوش:

خدمت دین کا آپ کو کامل عشق تھا اور کوئی موقعہ دینی خدمت کا آپ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیرت النبی کے جلسوں کے لئے مبلغ مقرر کئے جارہے تھے۔ میں نے بطور خبر آپ کی خدمت میں بھی ذکر کر دیا تو آپ نے فرمایا۔

> ''ناظر صاحب سے کہنا کہ مجھے بھی کسی جگہ مقرر کر دیں زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آئندہ سال شاید یہ موقعہ نہ ملے ...... کسی کے سہارے کسی قریب کے شہر چلا جاؤں گا۔ مجھ سے یہ بھی تو برداشت نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جلسے ہوں اور میرا ان میں حصہ نہ ہو۔'' (الفضل ۹ رمئی ۱۹۳۰ء ص ۹)

آخری بیماری میں جبکہ آپ موت و زندگی کی کشمکش میں تھے۔ آپ

نے الفضل کے سیرت النبی نمبر کے لئے ''آنحضرت کا بیماروں سے سلوک'' کے عنوان پر ایک نہایت مختصر اور قیمتی مضمون لکھوایا جو آپ کی زندگی کا غالبًا آخری مضمون ثابت ہوا۔ گویا جس آقائے نامدار کی لائی ہوئی تعلیم کو آپ عمر بھر پھیلاتے رہے اسی کے ذکر پر آپ کی عملی زندگی کا اختتام ہوا۔ اور آپ کی ساری زندگی خدمت دین میں ہی گذری۔ آپ کی زندگی کس قدر مصروف تھی۔ اس کا کسی قدر اندازہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تقریر کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس سے لگ سکتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ:

> ''تیسرے حافظ روشن علی صاحب ہیں۔ علاوہ اس کے کہ وہ مبلغین کلاس کے مدرس ہیں۔ اور کام بھی کرتے ہیں۔ مدارس میں ایک مدرس نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ کئی ہوتے ہیں مگر ان کے سپرد ایک جماعت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہمارا حق نہیں کہ ان سے پوچھیں اور کیا کام کرتے ہیں۔ لیکن علاوہ اس کے کہ وہ سلسلہ کے مفتی بھی ہیں۔ فتوے لکھتے ہیں درس بھی دیتے ہیں جب گلا کی خرابی اور بیماری کی وجہ سے میں درس نہیں دے سکتا۔ آج کل رمضان میں ایک پارہ سے زیادہ روزانہ درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ باہر سے جو اعتراض آئیں ان کے جواب بھی لکھ دیتے ہیں۔ ان کے یہ کام بطور چندہ کے ہوتے ہیں۔'' (احمدیہ گزٹ مورخہ ۲۶رفروری ۱۹۲۳ء ص ۱۶)

> ''حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا کہ وہ دین کے لئے اس طرح کام کرتے تھے جیسے گھڑی چلتی ہے اور کبھی تھکان محسوس نہیں کرتے تھے۔ رات ہو یا دن کبھی کام سے جی نہ چراتے تھے۔''

(الفضل ۱۴رجون ۱۹۳۴ء ص ۸)

سیاحت:

آپ کو اپنی زندگی میں ہندوستان کے تمام علاقوں کے علاوہ عدن، شام، مصر، فرانس، انگلستان اور یورپ کے کئی اور ممالک کی سیاحت کا موقع بھی ملا۔ جس کی وجہ سے آپ کا جنرل نالج بہت وسیع تھا۔ آپ نے ان علاقوں کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اس سے کئی ایک نتائج اخذ کئے۔ ۱۹۲۶ء میں جب آپ بحالی صحت کے لئے کشمیر تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے آثار اور باقیات کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اور دوران تحقیق مندرجہ ذیل انکشاف فرمایا:

> ''سرینگر سے جو سڑک بارہ مولا کی طرف جاتی ہے اس پر سرینگر سے ساڑھے سات میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جس کا نام لادی پور ہے اور لادی بنی یعقوب میں سے ہے۔ یہاں یہود نہیں رہتے۔ لیکن یہ نام کچھ معنے رکھتا ہے۔ یہ گاؤں معمولی نہیں۔ بہت بڑا گاؤں ہے۔''

(الفضل ۳رستمبر ۱۹۲۶ء ص ۲)

یورپ کے سفر کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مجھے یورپ کے سفر میں یہ عبرت ناک بات معلوم ہوئی کہ یہودی جو سب سے ذلیل سمجھے جاتے ہیں ان کے لئے یورپ کے ہر شہر اور ہر محلّہ میں اپنی دکانیں ہر قسم کی ضروریات کی ہیں اور اہل یورپ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ یہودی کیا کھاتا ہے اور کیا نہیں کھاتا۔ لیکن مسلمانوں کی زندگی کا خوردونوش کے لحاظ سے نہ یورپ میں انتظام ہے اور نہ ایشیا میں اور اہل یورپ یہ نہیں جانتے کہ مسلمان کیا کھاتا ہے اور کیا نہیں کھاتا۔ میرے ایک عزیز دوست نے یہ واقعہ سنایا کہ وہ اپنے ایک انگریز دوست کے گھر گیا تو اس انگریز دوست کے گھر گیا تو اس انگریز نے بہت بڑی خاطر اس کی یہ کی کہ تلا ہوا خنزیر اس کے آگے لا رکھا۔ وہ کسی یہودی کے سامنے اس طریق خاطر کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس واقعہ پر میں نے اپنے دوست کو سرزنش کی کہ تم نے انگریز کو دوست بنایا مگر اس بات سے آگاہ نہ کیا کہ مسلم کیا کھاتا ہے اور کیا نہیں کھاتا۔'' (الفضل ۳۰ر ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۸)

حضرت حافظ صاحبؓ نے اپنی ان سیاحتی معلومات کی بناء پر اور اپنے تجربہ کی روشنی میں اپنے طلباء کو تبلیغ کے لئے تیار کیا اور انہیں بعض ایسی ہدایات بھی دیں جو آئندہ زندگی میں ان کے کام آئیں۔ مثلاً مولانا شمس صاحبؓ

جب بلاد عربیہ میں تشریف لے جانے لگے تو آپ نے انہیں نصیحت کی کہ:

''یہ ممالک بھی کابل سے کم نہیں ہیں۔ لہٰذا تین باتوں کا خیال رکھنا۔ اول اپنے قائم مقام پیدا کرنے کی ہر وقت کوشش کرنا۔ اس کے واسطے کسی اچھے شخص کو منتخب کر کے اس سے خاص دوستی کرنا کہ اگر تمہارے جسم کو روح سے علیحدہ کیا جائے تو فوراً وہ روح دوسرے جسم کے ساتھ کام کرنے لگ جائے۔''

(الفضل ۲۶ر جولائی ۱۹۲۹ء ص ۲)

عبادت و زہد:

حضرت حافظ صاحبؓ نہایت عابد و زاہد اور قائم اللیل انسان تھے ہر مشکل وقت میں بلکہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں خدا تعالیٰ کی طرف جھکے رہتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی ریاضت اور عبادت میں گزری اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر الہام و کشوف کا دروازہ کھول دیا۔ آپ خود اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے خاندان کی حالت پر غور کیا اور دیکھا کہ اگرچہ ہمارے آباء و اجداد محبت الٰہی میں فنا تھے اور دنیا سے منہ موڑ چکے تھے۔ مگر اب ان کی اولاد دنیا کی طرف مائل ہو چکی ہے اور ان کی دینی حالت ابتر ہو چکی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس نے اپنے الہام اور کشوف کے ذریعہ مجھ پر یہ امر کھولا کہ اس وقت حقیقی صوفی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ کے قبول کرنے میں کوئی

پس و پیش نہ کیا - اور اپنا سب کچھ اس چشمہ ہدایت کے لئے قربان کر دیا -

(ملاحظہ ہو مجمع البحرین)

حضرت مولانا نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک دفعہ فرمایا:

''حافظ روشن علی نے میری تقریر ہوتے ہوئے آسمانی کھانا کھا لیا تھا - بیداری میں کباب اور پراٹھے کھاتا رہا - '' (کلام امیر ص ۴۹ بدر ۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ارشاد سن کر حافظ روشن علی صاحبؓ سے مفصل حال پوچھا - تو انہوں نے فرمایا:

''ایک دفعہ میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا - سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گزر گیا حتٰی کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہو گیا میں اپنی بھوک کی پرواہ نہ کر کے سبق میں مصروف ہو گیا - اور آنحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالب علم کی آواز سن رہا تھا - اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکا یک سبق کا آواز مدھم ہوتا گیا - اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سننے اور دیکھنے سے رہ گئے - اس حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار کیا ہوا کھانا لا رکھا - گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا - میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا - جب میں سیر ہو گیا تو میری یہ حالت منتقل ہو گئی - اور پھر مجھے

سبق کی آواز سنائی دینے لگ گیا - مگر اس وقت تک بھی میرے منہ میں کھانے کی لذت موجود تھی - اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا - اور سچ مچ جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہو جاتی ہے - وہی تازگی اور سیری مجھے میسر تھی - حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا - '' (کلام امیر ص ۵۰ بدر ۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز صاحب بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے بیان کیا -

''ایک دفعہ سفر میں مجھ کو بہت تھکان ہو گئی اور فکر ہوا کہ آج تہجد کے لئے کیسے اٹھوں گا - اسی فکر میں سو گیا - آدھی رات کے بعد میرے منہ پر ایک خالی گلاس جو اوپر طاق میں پڑا تھا - زور سے گرا جس نے مجھ کو بیدار کر دیا - گویا اللہ تعالیٰ نے عین دو بجے زور سے ہوا چلا کر گلاس کو گرا دیا - تا اس کا بندہ نماز تہجد ادا کرے - ''

(الفضل ۴ ؍ اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۷)

آپ کو وفات کے وقت سے بھی آگاہ کر دیا تھا - جس کی وجہ سے آپ زیادہ سے زیادہ خدمت دین بجا لانے کی کوشش میں لگے رہے اور شاگردوں کو بھی اپنے وجود سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی وصیت فرماتے رہے - آپ کی نزع کی حالت میں جو لوگ آپ کے پاس تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے لئے شدید بے قرار تھے - اور یہ کیفیت

آپ کی محبت الٰہی اور روحانیت کا عظیم نمونہ ہے۔

آپ اپنے شاگردوں کو بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ تعلق پیدا کرنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو ملک شام میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوتے وقت نصائح آپ نے فرمائیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ:

''ایسی کوشش کرنا کہ خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہو جائے۔ اس کے بغیر راحت حقیقی نہیں مل سکتی۔''

(الفضل ۲۶ رجولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

خدا تعالیٰ کے وعدوں کو اور اس کی پیشگوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے۔ اور خدا تعالیٰ کی حمد وشکر میں لگ جاتے۔ اور پھر ان کا ذکر مجالس میں کر کے آپ خوب مزے لیتے، قادیان کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

''اگر قادیان لاہور یا امرتسر کی طرح کوئی شہر ہوتا۔ یا کم از کم ریل گاڑی کا اسٹیشن ہی ہوتا تو میں کہتا کہ یہاں جو آیا ہے آرام کی خاطر اتر آیا ہوگا۔ لیکن اب جب کہ یہاں تک آنے کے لئے پکی سڑک بھی نہیں ہے۔ یکہ پیچھے پہنچتا ہے اور پیدل انسان پہلے آ جاتا ہے۔ مگر لوگ جوق در جوق آتے ہیں۔ تو میں عجب مزے لوٹتا ہوں اور **یاتین من کل فج عمیق** کی عجیب حلاوت حاصل کرتا

ہوں۔'' (الفضل ۳۰ رجنوری ۱۹۱۶ء ص ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''تم جانتے ہو کہ یہ ریلیں اور تاریں کیوں بنیں۔ ان کے بننے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کو نکلے تو آپ کے دوستوں کو تکلیف ہوئی۔ آپ نے دعا کی **اللھم اطولنا الارض** اے خدا ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دے۔ پس یہ آپ ہی کی دعا کی برکت ہے۔ میں تو جب ریل پر سوار ہوتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ (الفضل ۳۰ رجولائی ۱۹۱۶ء ص ۱۱)

آپ دعا کے ساتھ ساتھ تدبیر کو بھی اختیار کرنے کے قائل تھے۔ اور تدبیر کو دعا کے لئے ایک ضروری ہتھیار خیال فرماتے تھے۔ مکرم مولوی محمد حسین صاحب فاضل ربوہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میرا مولوی فاضل کا امتحان ہونے والا تھا تو میں حضرت حافظ صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں فلاں فلاں پرچہ میں بہت کمزور ہوں۔ اور بظاہر حالات کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپ دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے فرمایا۔ بہت اچھا میں دعا کروں گا اور مجھے امید ہے کہ تم کامیاب بھی ہو جاؤ گے۔ لیکن ایک کام کرو۔ اور وہ یہ کہ اپنے سے کسی کمزور طالب کو کسی پرچہ کی تیاری کروا دو۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں میں نے عرض کیا حافظ صاحبؓ مجھ سے زیادہ کمزور لڑکا

کلاس میں اور کوئی نہیں۔ میں اسے کہاں سے تلاش کروں گا۔ آپ نے فرمایا کوشش کرو۔ میں تمہیں اس لئے یہ کام کرنے کی ہدایت کر رہا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من کان فی عون عمدہ کان اللہ فی عونہ جو شخص خدا کے کسی کمزور بندہ کی اعانت کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے اپنی مدد سے نوازتا ہے۔ سو اگر تم کسی کمزور طالب علم کو محنت کراؤ گے اور اسے کامیابی حاصل کرنے کے قابل بنا سکو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری کمزوریوں کے باوجود کامیاب کرے گا۔ اور پھر میں دعا بھی کروں گا۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ میں نے اپنے سے کمزور طالب علم تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ نہ ملا۔ اتفاقاً ایک طالب علم نے مجھ سے ہوشیار تھا۔ لیکن ایک پرچہ میں کمزور تھا۔ مجھے کہا کہ فلاں کتاب ہم مل کر پڑھ لیں۔ چنانچہ میں نے اس کی بات مان لی اور جب امتحان کا نتیجہ نکلا تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت حافظ صاحبؓ کی دعا اور آپ کی بتائی ہوئی تدبیر اختیار کرنے کا نتیجہ تھا۔

فرائض منصبی کا احساس:

آپ کو اپنے فرائض منصبی کا بہت احساس تھا۔ آپ اپنے کاموں کو بیگار کی طرح سرانجام نہ دیا کرتے تھے بلکہ اپنا کام سمجھ کر اور سنوار کر کرتے اور اپنی ضروریات آرام اور آسائش کو فرائض منصبی کے لئے قربان کرتے۔ بیمار ہوتے۔ سفر سے واپس آتے اور تھکے ہوئے۔ لیکن آپ نے کبھی اپنے فرائض منصبی سے رخصت حاصل نہ کی۔ رخصت کے نام سے آپ کو چڑ تھی۔ آپ اپنے شاگردوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ رخصت کا نام نہ لیا کرو۔ زندگی میں تمہارے

لئے رخصت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں موت کے بعد تم مکمل آرام کر سکتے ہو۔ آپ کام کرنے میں راحت پاتے تھے۔ محنت آپ کی غذا تھی اور خدمت سلسلہ آپ کا نصب العین تھا۔ آپ طالب علم کو جب وہ بیمار ہوتا۔ رخصت دینے کی بجائے چارپائی پر لٹا دیتے۔ لیکن درس میں ضرور شریک کرتے۔ مرض الموت میں بھی جب کہ ڈاکٹروں نے حرکت کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت سے آپ غافل نہ ہوئے۔ اپنے یا غیر کی خوشی اور آرام کی خاطر مفوضہ ڈیوٹی میں کوتاہی کرنے کو آپ گناہ کبیرہ سمجھتے۔ اور فرمایا کرتے۔ ہمیں وقات بہت کم دیا گیا ہے اور کام بہت زیادہ ہے اس لئے ہمیں اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں صرف کرنا چاہئے تا خدا تعالیٰ کے سامنے ہمیں شرمندگی نہ ہو۔ ایک موقعہ پر لجنہ اماء اللہ قادیان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

> ''اپنے فرائض منصبی کو پہچانو۔ اور اس بات کو سمجھ لو کہ اگر تم نے اچھا نمونہ دکھایا تو آئندہ نسلیں اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور اگر تم نے برا نمونہ دکھایا۔ تو آئندہ نسلوں کی گمراہی کا گناہ تم پر پڑے گا۔ تم تمام سستیوں، جھوٹ، غیبت، چوری اور گلے وغیرہ کو چھوڑ دو تا خدا تعالیٰ تمہارا مددگار رہو اور تم پر اپنے فضلوں کی بارش کرے۔''

(الفضل ۷/اپریل ۱۹۲۵ء ص ۷)

قناعت:

آپ کو قناعت کا مادہ وافر طور پر عطا کیا گیا تھا- آپ کو بہت کم گزارہ ملتا تھا اور دو بیویاں تھیں- جن کے اخراجات آپ کے ذمہ تھے- مگر آپ نے کبھی بھی کم گزارہ کا شکوہ نہ فرمایا- بلکہ ڈاکٹر شاہنواز صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز تراویح اور درس القرآن کے اختتام پر کچھ رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی تحریک کی گئی- تو فرمایا-

> ''میں اس بات کو پسند نہیں کرتا- مرکز والوں کی بات باہر والوں کے لئے حجت ہو جاتی ہے- اس لئے اس رسم کا یہاں ڈالنا میرے نزدیک ٹھیک نہیں-''

(الفضل ۴/اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۷)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حیدر آباد کے کسی دوست نے یک صد روپیہ نذرانہ کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا- لیکن آپ نے وہ رقم بیت المال میں جمع کرا دی اور اسے اپنی ذات پر خرچ نہ فرمایا اور کہا میں اپنا کوئی حق نہیں سمجھتا کہ ایسی رقم اپنی ذات پر خرچ کروں- حدیث میں ایک عامل کا واقعہ آیا ہے اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ اس قسم کے ہدیہ کو بیت المال میں داخل ہونا چاہئے-

(ملاحظہ ہو الحکم ۱۴/مارچ ۱۹۳۴ء ص ۸)

غرض کہ آپ کو جو کچھ ملتا تھا وہ گو آپ کی ضروریات کے لئے ناکافی تھا- مگر آپ کی قناعت اور خودداری کا یہ حال تھا کہ آپ کہیں بھی کسی کے

سامنے دست سوال دراز نہ کرتے-

انکسار:

آپ بحر العلوم تھے- جماعت میں آپ کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا- لیکن آپ برتری کے کبھی خواہشمند نہ ہوئے- اور کسی امتیاز کی آپ نے خواہش نہ کی- آپ کو تبلیغ و اشاعت کے کام اور اس کے خیال کے سوا اور کوئی تڑپ نہ تھی- اور اس بات کا جوش تھا کہ جن علوم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہرہ مند کیا ہے انہیں دوستوں تک پہنچائیں اگر کوئی آپ کی تعریف کرتا- تو اسے منع فرما دیتے یا ذکر الٰہی میں اور دعا میں مصروف ہو جاتے- کبھی کسی شاگرد سے بات کر کے تعریف کرنے والے کی توجہ کو کسی دوسری طرف مبذول کرنے کی کوشش فرماتے- سفروں میں اپنے رفقاء کار کا خاص خیال رکھتے اور انہیں یہ محسوس نہ ہونے دیتے کہ آپ ان کے امیر الوفد ہیں یا انہیں ان پر کوئی امتیاز حاصل ہے- آپ کا کیریکٹر نہایت بلند اور بے داغ تھا-

ذمہ داری کی روح:

آپ میں ذمہ داری کا احساس نہایت اعلیٰ طور پر پایا جاتا تھا- اور جو کام بھی آپ کے سپرد ہوتا- اپنے آپ کو کلی طور پر ذمہ دار سمجھتے ہوئے اسے کرتے- جماعتی کاموں میں اس احساس اور خیال سے حصہ لیتے کہ گویا خدا تعالیٰ نے آپ کو ہی ذمہ دار بنایا ہے- اور حقیقت یہی ہے کہ جب تک قوم کا ہر فرد اس بات کو محسوس نہ کرے کہ سب کام اسے ہی کرنے ہیں- اس وقت تک قوم ترقی نہیں کر سکتی- آپ نے یہی وصف اپنے شاگردوں میں بھی پیدا کرنے

کی کوشش کی - مولانا شمس صاحبؓ کو تبلیغ پر روانہ ہوتے وقت آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ:

''سلسلہ احمدیہ کے متعلق یہ کبھی خیال نہ کرنا کہ خلیفہ یا کوئی اور اس کا ذمہ دار ہے - بلکہ اپنے ذہن میں اسی خیال کو پختہ کرو کہ یہ سلسلہ میرا ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں - اور اپنے نیابت کا خیال نہ بٹھاؤ - بلکہ اصلیت کا -''

(الفضل ۲۶ر جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

اسی طرح ایک موقع پر اپنے ایک شاگرد مولانا ابوالعطاء صاحب کو فرمایا -

''دوسروں کے کندھے پر بندوق چلانا مردوں کا کام نہیں - تم یہ مت خیال کرو کہ وہاں فلاں آجائے گا - تم خود اپنے آپ کو اکیلے ذمہ دار سمجھو - جب تک تم میں یہ روح نہ ہوگی - تم کامیاب نہیں ہوسکتے -''

(الفضل ۹ر مئی ۱۹۳۰ء ص۸)

بزدلی سے نفرت:

بزدلی کو آپ نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے - اور فرمایا کرتے کہ اگر بہادری اور جرأت سے کوئی کام کیا جائے اور جماعت کو اس سے کوئی صدمہ نہ پہنچتا ہو - تو اس پر اگر نظام کی طرف سے توبیخ بھی ہو جائے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرلو - ہوسکتا ہے کہ تمہاری رائے غلط ہو اس لئے

افسروں کا کام افسروں کے سپرد کرو - مگر سلسلہ کے لئے کسی ضروری بات سے چوکنا نہیں چاہئے - اگر آپ کے خیال میں کوئی اقدام اور کوئی حرکت سلسلہ کے مفاد کے لئے ضروری ہے تو اسے کرگزرو - یہ ایک نہایت قیمتی گر ہے -

سادگی اور بے تکلفی:

آپ سادہ طبیعت انسان تھے اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار خیال نہیں فرماتے تھے بلکہ دوسروں کے کام بھی آتے تھے - اور ان کی مدد سے جی نہیں چراتے تھے آپ کی جسمانی بناوٹ اور نظر کی کمزوری آپ کی علمی زندگی میں کبھی روک نہ بنیں -

تصنع اور بناوٹ سے آپ کو سخت نفرت تھی آپ میں بے تکلفی کمال درجہ کی پائی جاتی تھی - طالب علموں کو آپ یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ ان کے استاد ہیں اور آپ کی بے تکلفی کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو آزادانہ تحقیق کا خوگر بنا دیا -

آپ کا جذبہ ہمدردی:

آپ نہایت ہمدرد انسان تھے - لاتعداد لوگ آپ کی ہمدردی سے فیضیاب ہوئے - آپ کی شفقت اور ہمدردی کا دائرہ بہت وسیع تھا ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے تعلقات تھے - اور ان میں سے ہر ایک کی تکلیف کا آپ کو احساس تھا - یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ آپ سے محبت کرتے - کسی کو آپ سے نفرت اور حجاب نہ تھا - سبھی آپ کی تعظیم اور احترام کرتے تھے - آپ ہر خورد و کلاں سے نرمی سے پیش آتے - ہر ایک سے اظہار اخلاص کرتے - کسی

سے بغض اور دشمنی آپ کو نہیں تھی - ہر ایک انسان کے آپ خیر خواہ تھے - ایک دفعہ قادیان کے بعض احباب نے قیمتیں گراں ہو جانے کی وجہ سے اشیائے ضروریہ بٹالہ سے خریدنی شروع کر دیں - آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے نہایت خفگی سے فرمایا -

''یہ غلطی ہے اور ان تاجروں پر ظلم ہے - یہ ہمارے ہی آسرے پر دکانیں کھولے ہوئے ہیں - ورنہ ان سے کون خریدنے آتا ہے - اگر ہم نے ان سے تعاون نہ کیا اور چیزیں نہ خریدیں تو ان کو تکلیف ہوگی - اور ان پر ظلم ہو گا - اس تجویز و عمل کے برعکس اگر آپ لوگ ہی ان سے خریدنا شروع کریں - تو ان کی تجارت چل جائے گی - اور آہستہ آہستہ کم منافع پر دینے لگیں گے -''

(الفضل ۶ راگست ۱۹۲۹ء ص ۸)

پابندی وقت:

وقت کے آپ بڑے پابند تھے آپ باقاعدہ گھڑی اپنے پاس رکھتے - اور ہر کام کے موقع پر آپ گھڑی دیکھتے - اور اپنے پروگرام سے ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہ ہوتے - آپ کا وقت ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت صرف ہوتا تھا - کبھی آپ نے فضول وقت ضائع نہیں کیا - جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا نہایت احساس تھا کہ انسان کے پاس وقت بہت کم ہے - اور کام بہت زیادہ - اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ وقت کام میں

لگانا چاہئے تا اس کے مفوضہ کام پورے ہو سکیں اگر وہ وقت کا ضیاع کرے گا تو وہ اپنے فرائض کو کسی صورت میں پورے طور پر ادا نہیں کر سکتا -

معاملات کی صفائی:

آپ لین دین میں بہت کھرے تھے - کسی دوکاندار کو آپ سے شکایت نہ تھی کہ آپ کی طرف سے کوئی رقم واجب الادا زیادہ دیر سے ادا ہوئی - بلکہ آپ خود دوکانداروں کی تنگی کے وقت ان کے کام آتے اور طلباء کو بھی آپ اس امر کی نصیحت فرماتے کہ معاملات میں صفائی نہایت ضروری ہے - اس کے بغیر دنیا میں راحت نصیب نہیں ہو سکتی - مرض الموت میں آپ نے اس امر کا خاص طور پر اہتمام کیا کہ کسی فرد کا چاہے وہ دوکاندار ہو یا کوئی اور قرض آپ کے ذمہ واجب الادا نہ رہے - تنخواہ ملنے پر آپ پہلے اپنے قرض چکاتے اور پھر باقی رقم سے گھر کے اخراجات پورے کرتے - غالباً آپ کو قریب عرصہ میں اپنی وفات کا علم ہو چکا تھا - اس لئے آپ نے انتہائی کوشش سے قرضوں کو چکا دیا - خود تکلیف برداشت کر لی - لیکن پوری کوشش فرمائی کہ خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے وقت اس کے کسی بندہ کا قرض آپ کے ذمہ نہ ہو - گویا یہ ایک تیاری تھی جو آپ الٰہی دربار میں حاضر ہونے کے لئے فرما رہے تھے -

غیرت دین:

گو آپ اپنی ذات میں نہایت بردبار اور منکسر مزاج تھے - لیکن دین کے بارہ میں سخت غیور واقع ہوئے تھے - آپ نے تبلیغ کے سلسلہ میں ہر قسم کی بد زبانی، سختی اور تکلیف برداشت کی - لیکن جب بھی کہیں دین کے لئے غیرت کا

سوال آیا- آپ نے اپنی پرواہ نہیں کی- آپ نے مصنوعی وجاہت دنیا کی ظاہر داری یا رواداری کے پردہ میں اپنی غیرت کو دبایا نہیں- بلکہ دشمن کے سامنے ڈٹ گئے- اور اسلام اور احمدیت کے رخ زیبا کو واضح کر کے معترض کے اثر کو زائل کر کے رکھ دیا- آپ کے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے- کہ آپ دین کے لئے نہایت غیور واقع ہوئے تھے- آپ کے اسی جذبہ کی وجہ سے پیغام صلح لاہور نے آپ کو متشدد محمودی اور محمودیت کے لئے غالیانہ سپرٹ کا اظہار کرنے والا قرار دیا اور اخبار اہل حدیث نے اسے راسخ فی الاعتقاد ہونے سے تعبیر کیا-

خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے محبت:

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے آپ کو بہت محبت تھی- طالب علمی کے زمانہ میں آپ ان کے ایک ساتھی کی حیثیت سے رہے اور اس کے بعد آپ کے ہر دینی کام میں آپ کے معین و مددگار، خلافت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں سے ایک آپ تھے- اور اس کے بعد آپ کی تائید میں آپ نے اس قدر جوش سے حصہ لیا کہ مخالفین نے کٹر محمودی اور محمودیت کے پرچار میں غلو سے کام لینے والے کا خطاب دیا- آپ اپنی کسی تکلیف کا احساس حضور کو نہیں ہونے دیتے تھے- مبادا کہ آپ کو تکلیف پہنچے- اسی طرح آپ حضور کی صحت کا خاص خیال رکھتے- اور ہر ایسی چیز سے احتیاط فرماتے جس کے نتیجہ میں حضور کی صحت پر برا اثر پڑنے کا خطرہ ہو- سفر یورپ پر روانہ ہونے سے چند دن قبل ہی آپ کے بڑے بھائی پیر برکت علی صاحبؓ فوت ہو گئے اگرچہ آپ کا دل غم کی وجہ سے ڈوبا ہوا تھا

لیکن رنج و غم کے آثار چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دیئے تا حضور کو یہ احساس نہ ہو کہ آپ سفر پر جانے سے ہچکچا رہے ہیں- آپ نے حضور کے ارشاد کی اطاعت میں اپنے اس عظیم صدمہ کو بھی بھلا دیا اور پروگرام کے مطابق سفر پر روانہ ہو گئے-

آپ کا بلند مقام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نظر میں:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نظر میں آپ کو بہت مقام حاصل تھا- حضور سفروں میں ایک عالم کی حیثیت سے آپ کو اپنے ساتھ رکھتے- اپنی بیماری کے دوران اکثر آپ کو جمعہ پڑھانے اور درس القرآن دینے کا ارشاد فرمایا- یورپ کے سفر کے دوران آپ کی علمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور نے آپ کو ہمیشہ اپنے دائیں طرف چلنے کا ارشاد فرمایا ہوا تھا- پیرس میں تبلیغی مہموں کے لئے سوچ بچار کرنے والی کمیٹی کا آپ کو صدر تجویز کیا- حضور کی موجودگی میں آپ نے کئی جلسوں کی صدارت فرمائی- اپنے پرائیویٹ کاموں میں بھی حضور آپ کا مشورہ طلب فرماتے- اور اکثر آپ کے مشورہ پر عمل فرماتے- حضرت ام وسیم صاحبہ کے رشتہ کے سلسلہ میں آپ کو سلسلہ جنبانی کے لئے مقرر فرمایا- (ملاحظہ ہو الفضل ۹؍جنوری ۱۹۲۶ء)

آپ کی وفات پر حضور نے آپ کو ''قابل قدر دوست''، ''زبردست حامی اسلام''، ''عبدالکریم ثانی'' اور ''معزز اور پیارے بھائی'' کے خطابات سے نوازا اور آپ کی خدمات کی وجہ سے دنیا کی تمام احمدیہ جماعتوں کو آپ کا جنازہ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی- آپ کے بھتیجے عبدالعلی صاحب کے نام

تعزیت کے خط میں آپ کی وفات ''قومی نقصان'' قرار دیا- چنانچہ حضور فرماتے ہیں:

''حافظ صاحب کی وفات ایک قومی نقصان ہے اور اس صدمہ میں تمام جماعت آپ لوگوں کے شریک حال ہے-'' (الفضل ۵رجولائی ۱۹۲۹ء ص ۱۱)

ایک اور موقعہ پر حضور نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں میں ایک نہایت وفادار دوست کی نیک یاد کے ساتھ بے انصافی کروں گا- اگر اس موقعہ پر حافظ روشن علی صاحبؓ کی وفات پر اظہار رنج وافسوس نہ کروں- حافظ صاحبؓ مرحوم نہایت ہی مخلص اور بے نفس انسان تھے- میں نے ان کے اندر وہ روح دیکھی جسے اپنی جماعت میں پیدا کرنے کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواہش تھی- ان میں تبلیغ کے متعلق ایسا جوش تھا کہ وہ کچھ کہلوانے کے محتاج نہ تھے- بہت لوگ مخلص ہوتے ہیں کام بھی اچھا کرتے ہیں- مگر اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ دوسرے انہیں کہیں- یہ کام کرو تو وہ کریں- حافظ صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا وہ سمجھتے تھے گو خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کیا ہے- مگر ہر مومن کا فرض ہے کہ ہر کام کی نگہداشت کرے اور اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے- وہ اپنے آپ کو سلسلہ کا ایسا ہی ذمہ دار سمجھتے تھے- جیسا اگر کوئی

مسلمان بالکل اکیلا رہ جائے اور وہ سمجھے یہ ان میں ایک نہایت ہی قابل قدر خوبی تھی- اور اس کا انکار ناشکری ہو گی- یہ خوبی پیدا کئے بغیر جماعت ترقی نہیں کرسکتی کہ ہر شخص محسوس کرے سب کام مجھے کرنا ہے اور تمام کاموں کا میں ذمہ دار ہوں- میں سمجھتا ہوں ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے چالیس مومن میسر آ جائیں تو میں ساری دنیا کو فتح کر لوں- یعنی ان میں سے ہر ایک محسوس کرے کہ مجھ پر ہی جماعت کی ساری ذمہ داری ہے اور میرا فرض ہے کہ ساری دنیا کو فتح کروں- خدا کرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش سے بہت بڑھ چڑھ کر ایسے لوگ ہوں- جیسا کہ نبیوں کے متعلق خدا تعالیٰ کی سنت ہے- ایسے چالیس آدمی نہیں بلکہ لاکھوں میسر کر دے جن میں سے ہر ایک یہ سمجھے کہ آسمان اور زمین کا بار اٹھانا اسی کا فرض ہے-'' (الفضل ۷رجنوری ۱۹۳۰ء ص ۳)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب فوت ہوئے تو حضور نے فرمایا-

''میر محمد اسحاق صاحب خدمات سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے- درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا تو ان کو- رات دن قرآن و حدیث لوگوں کا پڑھانا ان کا مشغلہ تھا- وہ زندگی کے آخری

دور میں کئی بار موت کے منہ سے بچے۔ جلسہ سالانہ پر وہ
ایسا اندھا دھند کام کرتے کہ کئی بار ان پرنمونیا کا حملہ ہوا۔
ایسے شخص کی وفات پر طبعاً لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا
ہے کہ اب ہم کیا کریں گے ...... حضرت مسیح موعود علیہ
السلام کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم اس
طرز کے آدمی تھے۔ ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب
مرحوم تھے اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحب رنگین
تھے۔'' (الفضل یکم اپریل ۱۹۴۴ء ص ۱)

ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب کی شادی ایک ایسی عورت سے تجویز ہوئی جس کے متعلق حضور کو علم تھا کہ وہ سل و دق کی مریضہ ہے آپ نے بڑے جوش سے فرمایا۔

''میں سلسلہ کے ایک قیمتی وجود کو خطرہ میں نہیں
ڈالنا چاہتا۔'' (الفضل ۴ر اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۷)

(خلافت ثانیہ کے) ابتدائی زمانہ میں میں سمجھتا ہوں کہ جو کام حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو کرنے کا موقعہ ملا وہ کسی اور کو نہیں ملا۔ وہ صف اول کے جرنیل تھے۔ انہوں نے مخالفین خلافت سے متواتر مباحثات کئے اور ان پر خلافت کی ضرورت اور اہمیت واضح کی۔ (الفضل ۳۱ر جولائی ۱۹۴۹ء ص ۵)

یورپ کے سفر سے واپسی پر قادیان میں حضور کے ارشاد پر حضرت حافظ صاحب کی قیادت میں ہی احباب نے یہ دعا دہرائی۔

ائِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَيَزُمِ الْاَحْزَابِ وَحْدَهٗ۔ (الفضل ۲۹ر نومبر ۱۹۲۴ء ص ۷)

سندھ میں تحریک جدید انجمن احمدیہ کی زرعی جائیداد میں جب الگ الگ بستیاں آباد کرنے کی ضرورت پڑی تو حضور نے ان بستیوں کے نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اہم صحابہ کے ناموں کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے نام پر رکھے۔ ان بستیوں میں ایک بستی کا نام حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر آپ کے نام مبارک پر ''روشن نگر'' رکھا۔ تا سلسلہ کی خاطر جو قربانی آپ نے پیش کی۔ اس کی یاد کو تازہ رکھا جا سکے۔ (ملاحظہ ہو الفضل ۲ر اپریل ۱۹۴۴ء)

آپ کی علمی یادگاریں:

آپ کی نظر کمزور تھی۔ جس کی وجہ سے آپ خود کچھ نہیں لکھ سکتے تھے۔ اس لئے آپ کی تصانیف بہت شاذ ہیں آپ کی سب سے بڑی علمی یادگار آپ کا ترجمہ القرآن ہے جو آپ نے نہایت سلیس اردو میں مکمل کیا ہے۔ اور جماعت میں بہت مقبول ہے۔ اس ترجمہ کے ساتھ قرآن کریم کے مضامین کی ایک فہرست بھی لگا دی گئی ہے۔ اور فقہ احمدیہ جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق فقہ کے ابتدائی اور موٹے موٹے مسائل پر یہ کتاب مشتمل ہے اور جن لوگوں کی دینی تعلیم بہت کم ہے ان کے لئے نہایت مفید کتاب ہے جو انہیں روزمرہ کی زندگی کے ساتھ واسطہ رکھنے والے مسائل سے واقفیت بہم پہنچاتی ہے۔ (۳) جلسہ سالانہ ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر آپ نے جو تقریر فرمائی اور جس کا

عنوان ''صداقت مسیح موعودؑ'' تھا۔ بعد میں علیحدہ علیحدہ طور پر چھپوا دی گئی۔ (۴) اسی طرح آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۲ء کے موقعہ پر جو تقریر ''معیار صداقت انبیاء'' کے موضوع پر کی وہ بھی بعد میں زیر طباعت سے آراستہ ہوئی۔ (۵) ۱۹۲۳ء میں آپ نے جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں شیعوں سے ایک عظیم الشان مباحثہ کیا تھا۔ جو منتظمین نے اہل سنت والجماعت جلال پور جٹاں کی طرف سے ''الحق'' کے نام سے شائع کیا۔ (۶) آپ نے لنڈن میں تصوف کے موضوع پر جو تقریر کی وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تقریر (جو آپ نے برموقعہ ویمبلے مذہبی کانفرنس لنڈن) کے ساتھ ''مجمع البحرین'' کے نام سے چھپی ہوئی موجود ہے۔

یہ چند تصانیف ہیں جن کا لائبریری میں موجود ریکارڈ سے علم ہو سکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی بعض مضامین علیحدہ رنگ میں شائع ہوئے ہوں۔ ویسے جلسہ سالانہ کے موقع پر جو تقاریر آپ نے اپنی زندگی میں فرمائیں ان میں سے اکثر تقاریر عملہ الفضل کی طرف سے الفضل کے فائلوں میں محفوظ کر دی گئی ہیں اور تحقیق دین کا شوق رکھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی اور دلچسپ مواد ان کے اندر موجود ہے۔

بیماری اور وفات:

حضرت حافظ صاحب کئی سالوں سے ذیابیطس کی مرض میں مبتلا تھے۔ آپ نے اس کی زیادہ پرواہ نہ کی صبح و شام علمی مشاغل میں مشغول رہے اور علاج معالجہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری کے ساتھ ساتھ دماغی محنت نے صحت پر اور برا اثر ڈالا اور اصل مرض سے زیادہ اور عوارض پیدا ہو

گئے۔ وفات سے کوئی دو سال قبل پیشاب میں ایلبیومن خارج ہونے لگ گئی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اعصابی قسم کے عوارض بھی لاحق ہو گئے اور گردے میں رکاوٹ کی وجہ سے خون میں زہریلے مواد پیدا ہو گئے۔ جن کی وجہ سے دل اور دماغ پر زہریلا اثر نمودار ہونے لگا۔ آپ کی بصارت پر بیماری کا نہایت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت آپ کی دماغی مشقت کم کرائی گئی۔ اور علاج کی طرف باقاعدہ توجہ کی گئی اور اس خیال سے کہ شاید تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے صحت پر کوئی اچھا اثر پڑ جائے۔ آپ کو کشمیر بھجوایا گیا۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ پہنچنے کی بجائے بیماری میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا دل کی حرکت تیز ہو گئی اور تنگی تنفس کے دورے پڑنے لگے۔ یہ دورے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ہو جاتے تھے۔ جامعہ احمدیہ سے جہاں بطور پروفیسر تعینات تھے۔ آپ کو دفتری طور پر چھ ماہ کی رخصت دلائی گئی۔ لیکن سردی کے بڑھنے کے ساتھ آپ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ بیماری تشویشناک حالت تک بڑھ گئی۔

سلسلہ کے ایک جید عالم ہونے کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کے علاج کی طرف خاص اور ذاتی طور پر توجہ فرمائی۔ اور آپ کے معالج محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ مزید ڈاکٹروں کو بھی آپ کے علاج معالجہ پر خاص توجہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے ماتحت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب مرحومؓ اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ صاحب مرحوم نے محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ مل کر باہمی مشورہ سے حضرت حافظ صاحبؓ کا علاج کرنا شروع کیا۔ اور ان حضرات کی

شب و روز کی توجہ کے نتیجہ میں بیماری میں افاقہ ہونا شروع ہوا- اور صحت میں ترقی گو بتدریج ہو رہی تھی لیکن بہرحال یہ امید بندھنے لگی کہ تھوڑے عرصہ میں اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو آپ کو کامل شفا ہو جائے گی-

حضرت حافظ صاحب کو علاج کے نتیجہ میں اس قدر افاقہ ہو گیا تھا کہ آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۸ء میں بطور سامع شرکت فرمائی لیکن جلسہ سالانہ کے اگلے روز یعنی ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء کی شام کو دماغ میں جریان خون کی وجہ سے آپ کے دائیں جانب فالج کا شدید حملہ ہوا- جس کی وجہ سے گویائی پر بھی برا اثر پڑا- اور بیماری دوبارہ تشویشناک صورت اختیار کر گئی- لیکن چند گھنٹہ کی تگ و دو اور طبی امداد کے نتیجہ میں قدرے افاقہ کی صورت پیدا ہو گئی- اور بعد میں بتدریج صحت میں ترقی ہوتی گئی- قوت گویائی میں بھی نمایاں فرق پڑ گیا- ہاتھ پاؤں میں حرکت پیدا ہو گئی- اور وہ وقت بھی آ گیا کہ آپ چھڑی کا سہارا لے کر چل پھر بھی لیتے تھے- ۱۹۲۹ء کی شوریٰ میں آپ نے شمولیت فرمائی اور حسب معمول تلاوت قرآن کریم بھی کی- آپ نے ۱۴ر اپریل ۱۹۲۹ء کو ڈاکٹر میجر شاہنواز صاحب کو اپنی صحت کے متعلق لکھا کہ:

''میری صحت اب محض خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ترقی کر رہی ہے- قریباً پچاس قدم تک لاٹھی کے سہارے چل سکتا ہوں- امید ہے وہ قادر خدا بہت جلد صحت دے گا- تیل عازف کی مالش ہو جاتی ہے- یہ خدا کا فضل تھا جو مجھ پر ہو گیا- ورنہ ایسی بیماری میں جانبر ہونا مشکل نظر

آتا تھا- آپ دعا جاری رکھیں-''

(الفضل ۴ر اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۷)

بہرحال صحت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا- لیکن جون ۱۹۲۹ء میں وفات سے کچھ دن قبل عوارض نے اچانک ایسی صورت اختیار کر لی کہ دوا تک جسم کے اندر پہنچانا محال ہو گیا- اور چند ہی روز میں آپ شدید نڈھال ہوئے- علاج معالجہ بے کار ہو کر رہ گیا- آخر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی- اور آپ ۲۳ر جون ۱۹۲۹ء کی شام کو حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح یہ علم و فضل کا آفتاب جو چھوٹے بڑے امیر و غریب اپنے اور پرائے سب کو یکساں طور پر اپنے خدا تعالیٰ کے نور سے مستفید کر رہا تھا- صفحہ عالم سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا- **انا للہ و انا الیہ راجعون**-

آخر وقت تک آپ کے حواس قائم تھے- اور آپ اپنے شاگردوں اور دوسرے پاس بیٹھنے والوں سے باتیں کرتے رہے- آپ کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ نہ صرف آپ کو اس دنیائے فانی سے کلی انقطاع کا علم ہو چکا ہے- بلکہ آپ اس کے لئے بے تاب و بے قرار ہیں-

حضور کا تعزیتی تار:

حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سری نگر کشمیر میں تھے- چنانچہ مقامی امیر جماعت مولانا شیر علی صاحبؓ نے آپ کو اس صدمہ جانکاہ کے متعلق بذریعہ تار اطلاع دی- آپ

نے اس کے جواب میں ۲۴ رجون کو مندرجہ ذیل تعزیت کا تار روانہ فرمایا-

''مولوی شیر علی صاحب کا تار حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے متعلق پہنچا-انا للہ و انا الیہ راجعون - مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تا کہ اس قابل قدر دوست اور زبردست حامی اسلام کی نماز جنازہ خود پڑھا سکوں- حافظ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب ثانی تھے-اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے- انہوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے- اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے انشاء اللہ ان کا کام کبھی نہ بھولے گا ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور اسلام کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ہمیشہ ایسے ہی بڑے صدمے ہوتے ہیں- جنہیں اگر صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے جاذب بن جاتے ہیں- ہم سب فانی ہیں- لیکن جس کام کے لئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں- وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو موت و حیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ غیر معلوم اسباب کے ذریعہ اپنے کام کی تائید کرے گا-

چونکہ ہماری جماعت ہمارے پیارے اور معزز بھائی کی خدمات کی بہت ممنون ہے- اس لئے میں

درخواست کرتا ہوں کہ تمام دنیا بھر کی احمدیہ جماعتیں آپ کا جنازہ پڑھیں- یہ آخری خدمت ہے جو ہم اپنے مرحوم بھائی کی ادا کر سکتے ہیں- لیکن یہ بدلہ ان بیش قیمت خدمات کے مقابلہ میں جو انہوں نے اسلام کے لئے کیں کیا حقیقت رکھتا ہے-

میں احباب کے ساتھ سری نگر میں نماز جنازہ پڑھوں گا اگر لاش کے متغیر ہو جانے کا خوف نہ ہوتا- تو التوائے تدفین کی ہدایت دے کر میں اس آخری فرض کو ادا کرنے کے لئے خود قادیان آتا- اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان پر بھی جو زندہ ہیں اپنی رحمتیں نازل فرمائے-''

(الفضل ۲۸ رجون ۱۹۲۹ء ص ۱)

نماز جنازہ وتدفین:

حضرت حافظ صاحبؓ کے رشتہ داروں کو آپ کی آخری زیارت اور نماز جنازہ میں شرکت کا موقعہ دینے کی غرض سے ۲۴ رجون ۱۹۲۹ء کی گاڑی تک انتظار کیا گیا- گیارہ بجے کے قریب آپ کا جنازہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی کوٹھی سے کہ جہاں آپ آخری دنوں میں مقیم تھے اٹھایا گیا- قادیان اور بیرونی جماعتوں کے احباب کی ایک کثیر تعداد ساتھ تھی- جن کے کندھوں پر یہ جسم اطہر باری باری منتقل ہوتے ہوئے باغ میں پہنچایا گیا- جہاں

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ امیر مقامی نے ہزاروں افراد کی معیت میں نماز جنازہ ادا کی۔ اور اس کے بعد مسیح وقت کے اس بے مثال شیدائی۔ دربار خلافت کے انمول رتن میدان تبلیغ کے عظیم سالار، عظیم شاگردوں کے عظیم اور مشفق استاد، ہمدرد خلائق وجود اور رسول وقرآن کے عاشق صادق کو بہشتی مقبرہ کی پاک سرزمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور اس طرح وہ پاک قطعہ زمین آپ کی آخری آرام گاہ بنا۔ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا کہ:

> ''ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔'' (الوصیت)

پھر فرمایا:

> ''میں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا جو فی الواقع تیرے لئے ہو چکے۔ اور دنیا کی اغراض کی ملونی ان کے کاروبار میں نہیں۔ آمین یارب العالمین۔''(الوصیت)

جماعت کی طرف سے غیر معمولی طور پر غم والم کا اظہار:

حضرت حافظ صاحبؓ گوناگوں صفات کے مالک تھے اور نہ صرف

نیکی وتقویٰ اور علم وقابلیت کے لحاظ سے ایسے انسان تھے۔ جو دنیا میں کبھی کبھار پیدا ہوتے ہیں بلکہ مفید خلائق اور نیکی کے مجسمہ تھے۔ آپ کے احسانات اپنوں اور غیروں قریباً سب پر تھے۔ اس لئے آپ کی وفات کا صدمہ غیر معمولی طور پر محسوس کیا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کے صدمات کے بعد اس صدمہ نے جماعت کے افراد کے دلوں کو ہلا دیا اور ہر طبقہ اور ہر پیش کے لوگوں نے اس صدمہ کو اپنے لئے ایک عظیم صدمہ قرار دیا۔ میں اپنے مفوضہ کام کی وجہ سے الفضل اور الحکم کے فائلوں کا اکثر مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ جس صدمہ کا اظہار آپ کی وفات پر کیا گیا وہ عظیم ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کا وجود کوئی عام وجود نہ تھا۔ بلکہ ایسا وجود تھا جسے خدا تعالیٰ اپنی کسی مصلحت کی بناء پر کبھی کبھار دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور جب وہ اسے واپس بلا لیتا ہے تو صدیوں تک اس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

روزنامہ الفضل نے آپ کی وفات کے صدمہ کو غیر معمولی سانحہ اور روح میں کپکپی پیدا کر دینے والا واقعہ قرار دیتے ہوئے لکھا:

> ''آہ! علم وحکمت کا وہ آفتاب جو چھوٹے بڑے امیر وغریب اپنے پرائے سب کے لئے یکساں ضوفشاں تھا۔ ۲۳/ جون کی شام کو صفحۂ عالم سے ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ یعنی علامہ حافظ روشن علی صاحبؓ کا انتقال ہوگیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون** ......

حضرت حافظ صاحب کیا بلحاظ تقویٰ وطہارت اور کیا بلحاظ علم وقابلیت

اور کیا بالحاظ عادات و اخلاق ایسے انسان تھے جو خدا تعالیٰ کی خاص جماعتوں میں بھی خاص طور پر ہی پیدا کئے جاتے ہیں- باوجود اس کے کہ آپ آنکھوں سے قریباً معذور تھے اور لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے پھر بھی آپ کی دینی علمیت اور قابلیت کا یہ عالم تھا کہ غیروں کو بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف تھا- آپ کے بے شمار شاگردوں کو ہی آپ کی ذات پر فخر نہ تھا بلکہ آپ کے استاد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو بھی آپ پر ناز تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس بے نظیر استاد کے بے نظیر شاگرد نے جس طرح حیرت انگیز طریق سے اپنے استاد سے علم حاصل کیا اسی طرح مخلوق خدا کو کھلے دل سے مستفیض بھی کیا- اس وقت نہ صرف قادیان میں بلکہ ساری جماعت میں ایسے لوگ کم ہی ہوں گے جنہوں نے آپ سے کچھ نہ کچھ نہ سیکھا ہو- بلکہ بہت سے غیر از جماعت لوگوں کو بھی آپ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا-

ایسے مفید خلائق اور نیکی مجسم انسان کا انتقال کوئی معمولی سانحہ نہیں جسموں کو ہلا دینے والا اور روح میں کپکپی پیدا کرنے والا واقعہ ہے کوئی شخص جو آپ سے تھوڑا بہت بھی تعارف رکھتا ہوا ایسا نہ ہوگا جسے آپ کی وفات کی خبر سن کر رنج وغم نہ ہوگا لیکن وہ جنہیں آپ سے روحانی فیض پہنچا- وہ جن کے لشکر کا یہ فتح نصیب جرنیل ہی نہیں بلکہ جرنیل گر تھا- ان کے غم والم کا کون اندازہ کر سکتا ہے- آہ! آج دربار خلافت کا ایک محبوب رتن چل بسا- آہ! آج ہمارے بزرگ ترین علماء کی بزم کو ایک چوٹی کا عالم خالی کر گیا- آہ! آج ہمارے تبلیغ اسلام کے مجاہدوں کا سرلشکر اپنے جرنیلوں کو داغ مفارقت دے گیا- آہ! آج احباب کی محفل کو اپنی خوش گفتاری سے گرمانے والا اور خوش کلامی سے افسردہ

دلوں کو ہنسانے والا ہمیشہ کے لئے خموش ہو گیا- آہ! آج چھوٹوں کا شفیق اور ہم عصروں کا رفیق اٹھ گیا- پھر کون ہے جو رنج والم سے نڈھال نہ ہوا اور کون ہے جس کے لئے آپ کی مفارقت کا صدمہ جاکاہ نہ ہو- لیکن

''بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

اس لئے دل دوز آہ کے ساتھ ہر ایک کے منہ سے صرف اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ نکل رہا ہے-

ہمارے دل میں درد، آنکھوں میں آنسو اور لب پر آہ ہے لیکن اس موت پر رشک بھی ہے- واللہ! جی چاہتا ہے ہم میں سے ہر ایک کی موت ایسی ہی موت ہو کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کر دینا اور مخلوق خدا کی خدمت گذاری میں گداز ہو کر مرنا دراصل مرنا نہیں بلکہ جینا ہے اور جسے یہ زندگی حاصل ہو جائے اس سے بڑھ کر خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے-

علامہ مرحوم و مغفور کی صفات اور خوبیاں اتنی غیر معمولی ہیں کہ نہ تو کسی ایک مضمون میں ان کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ رنج والم کی حالت میں ایسا کرنا ممکن ہے اس کے لئے سکون قلب کی ضرورت ہے اور امید ہے حضرت حافظ صاحب مرحوم کے مخلص دوست اور شاگردان رشید جن کا حلقہ بفضل خدا بہت وسیع ہے اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے-''

(الفضل ۲۸ رجون ۱۹۲۹ء ص۲)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر

اظہارِ غم ان الفاظ میں کیا ہے۔

''دل حزیں میرا ہے آنکھ اشکبار
ایک دم آتا نہیں مجھ کو قرار
روح میری آج ہے اندوہ گیں
آہ لب پر اور سینہ داغدار
کیا کہوں مجھ پر مصیبت کیا پڑی
کیوں تڑپ اٹھتا ہوں میں یوں بار بار
کس کے غم میں حال میرا غیر ہے
کس لئے روتا ہوں میں زار و نزار
آہ ہم سے چھٹ گیا استاد وہ
جس کے تھے احسان ہم پر بیشمار
جس کی شاگردی ہمارا فخر تھا
جس کی تلمیذی میں تھا اپنا وقار
چل بسا ہے دار فانی چھوڑ کر
وہ جو تھا اک دیں کا گوہر آبدار
فوج حقانی کا واحد فرد تھا
خیل ربانی کا تھا وہ شہ سوار
درس و تدریس اس کا شغل تھا
اتقا اور زہد تھا اس کا شعار

عشق تھا قرآں سے اس کی روح کو
اس گلستاں کا وہ تھا گویا ہزار
مرتبہ عالی وہ رکھتا تھا مگر
جانتے سب ہیں کہ تھا وہ خاکسار
تھا امور دین میں غیور وہ
گرچہ اپنی ذات میں تھا بردبار
اس کے غم میں آج سب محزون ہیں
دیکھتا جس کو ہوں وہ ہے دلفگار
خدمت دیں کے لئے وہ وقف تھا
چھوڑ کر دنیا کے سارے کاروبار
اور سب کچھ کر چکا قربان جب
نقد جاں بھی کر دیا آخر نثار
صد مبارک تجھ کو اے روشن علی
سرخرو جاتا ہے پیش کردگار
حق تعالیٰ تجھ سے ہو راضی مدام
تجھ پہ ہوں افضال اس کے بیشمار
خدمتیں تیری سبھی مقبول ہوں
اور ہو خاصان حق میں تو شمار
ہو تجھے حاصل رضا اللہ کی
تجھ سے خوش ہو ''انبیاء کا تاجدار''

(الفضل ۹؍جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ جن کے ساتھ عالم جوانی سے موت تک حضرت حافظ صاحبؓ کو کام کرنا پڑا۔ درجنوں تبلیغی میں باہم اکٹھے رہے۔ مناظروں اور مباحثوں میں مل کر دشمنان اسلام کا متحد ہوکر مقابلہ کیا ان سے بڑھ کر بھلا حضرت حافظ صاحبؓ کی سیرت اور شان کو کون جان سکتا ہے۔ آپ نے حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات کو اسلام اور احمدیت کے لئے ایک عظیم صدمہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت نورالدین اعظم کو چھوڑ کر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد کوئی حادثہ حافظ صاحب مرحوم کی وفات کے حادثہ جیسا نہیں ہوا۔''

(الفضل ۲۸ ؍جون ۱۹۲۹ء ص ۷)

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہرؓ حضرت حافظ صاحب کا مرثیہ کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہائے اے روشن علی اے واعظ شیریں بیاں
حافظ قرآنِ پاک و عالم دینِ متین
تیرا علم و اتقا وہ تیرا درس دلربا
وہ ترا صدق و صفا۔ خلق مبیں
وہ تیری تقریر دلکش دلربا طرز سخن
صحبت خوش تیری ہم کو بھول سکتی ہی نہیں

تو سراپا نور تھا اے پاکباز و پاک دل
تیری ہر اک بات تھی راحت فزا و دلنشیں
پہلوان حق تھا تو میدان علم و فضل میں
تیرے دم سے آسماں رتبہ بنی تھی یہ زمیں
تو ہر اک میداں میں لڑتا تھا صداقت کے لئے
خدمتیں کیں دیں کی اور سچ تو یہ ہے خوب کیں
تیرے علم و فضل کا دشمن کو بھی تھا اعتراف
تیری عظمت ان کے دل میں ہوگئی تھی جاگزیں
استقامت اور ہمت تجھ پر ہوتی تھی فدا
تجھ پہ کرتی تھی شجاعت اور سعادت آفریں
پاکبازی سے تری دشمن بھی حیراں تھے بہت
رہتی تھی ناکام ان کی چشم ہائے عیب بیں
دل لبھاتی تھی وہ تیری صوفیانہ زندگی
تیری مداحی میں تھا رطب اللسان ہر نکتہ چیں
کان ہیں مشتاق تیری نغمہ سنجی کے بہت
کچھ ترنم اور بھی اے طوطی سدرہ نشیں
تیری خوش الحانیاں دنیا نہ بھولے گی کبھی
یاد کرکے روئے گا تجھ کو ہر اک اہل یقیں
ماہ رمضاں میں وہ تیرا درس قرآن مجید
سامنے آنکھوں کے لے آتا تھا بزم نور دیں

تیرے استادوں کو شاگردی پہ تیری ناز تھا
بزم علم و فضل میں ان کا رہا تو جانشیں
دہر و دلکش تھی تیری خوش بیانی اے اخی
تھی تیری شیریں کلامی رشک قند انگبیں
دور آخر میں بھی اپنے علم و زہد و فضل سے
تو نے دنیا کو دکھا دی بزم دور اولیں
تو نے جو عہد وفا باندھے تھے سب پورے کئے
آفریں اے مرد میدان وفا صد آفریں
مرتے دم تک خدمت دینی میں تو مصروف تھا
یاد تھی تبلیغ تجھ کو وقت انفاس پسیں
تربیت کی تو نے مخلوق خدا کی رات دن
کیوں نہ راضی اور خوش ہو تجھ پہ رب العالمین
کیا ہوا اگر قبر نے آغوش اپنی بند کی
کھل گئی تیرے لئے آغوش خیر المرسلین
تیری فرقت ماتم قوی و ملی ہے مگر
قابل صد رشک ہے یہ موت تیری بالیقیں
مومن و محسن رہا جب تک کہ دنیا میں رہا
سرخرو ہو کر گیا تو پیش خیمہ المحسنین
اے زہے قسمت کہ دنیا کی کشاکش سے چھٹا
صحبت احمد ہے، تو ہے، اور فردوس بریں

تو ہے ہم آغوش عیش جاوداں فردوس میں
دل سے اٹھتے ہیں ہمارے نالہ ہائے آتشیں
ہم کو دے روشن علیؓ جیسے ہزاروں اے خدا
تاکہ طول و عرض دنیا میں ہو پھر ترویج دیں

(الفضل ۵؍جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

مکرم ایم عبدالمجید صاحب طالب احمدی جہلمی نے آپ کی وفات پر لکھا کہ آپ کی وفات کی وجہ سے جو صدمہ جماعت کو پہنچا ہے اس صدمہ کی وجہ سے ہم افراد جماعت ساری عمر رویا کریں گے- چنانچہ آپ اپنے آنسو اشعار کی صورت میں یوں بہاتے ہیں:

آنکھیں ہیں اشک بار تو دل سوگوار ہے
ہر سانس ایک نالۂ بے اختیار ہے
تئیس جون کی شب غم ناک! الاماں
دل چاک چاک ہوگیا صدمے سے ناگہاں
''روشن علی'' سے عالم جید جدا ہوئے
چھوڑا جہاں کو راہیٔ ملک بقا ہوئے
غم آپ کی جدائی کا ہے دل پہ اس قدر
آنسو ہیں اور ان میں ہے ڈوبی ہوئی نظر
تھے آپ علم و فضل میں باہوش و ہوشیار
حاصل ہوا تھا آپ کو دنیا میں افتخار

مخلص بھی تھے خلیق بھی تھے مہربان بھی
ہوتے نہ تھے کسی سے کبھی بدگمان بھی
تھے آپ قوم و مذہب و ملت کے رہنما
تھے آپ ہر طرح سے طریقیت کے رہنما
اوصاف آپ میں تھے ہزار اور بہتریں
ایک ایک بات آپ کی گوہر تھی بالیقیں
روئیں گے آپ کے لئے جب تک جئیں گے ہم
جب تک ہے زیست یاد میں مضطر رہیں گے ہم
بھولے گی آپ کو نہ کبھی وسعت جہاں
مرنے کے بعد جیتی ہیں نیکوں کی نیکیاں
طالب مری دعا کے یہ جملے قبول ہوں!
جنت ہو اور آپ ہوں- رحمت کے پھول ہوں‘‘

(الفضل ۱۲/ جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

محترم ملک عبدالرحمان صاحب خادم مرحوم نے آپ کی وفات پر یوں صدمہ کا اظہار کیا-

ہر طرف ہے آج کیوں رنج و الم کا ہی سماں؟
آج کیوں تاریک ہے نظروں میں یہ سارا جہاں؟
کس کی فرقت کا ہے غم ہر اک کے سینہ میں نہاں!
کیوں ہماری بے کسی پر رو رہا ہے آسماں؟

آہ کیوں آتے نہیں ہم کو نظر روشن علی؟
ایک پل میں چل دیئے ہائے! کدھر روشن علی؟
اے علمبردار وحدت! حامئ دین متیں!
اے سراپا علم! تلمیذِ رشیدِ نور دیں
ایک تو تھا مہبط انوار رب العالمیں
ایک تو تھا مشعل علم و ہدایت بہرِ دیں
آج تیری موت نے سب کو پریشاں کر دیا
حرف حرف آرزو حسرت کا دیواں کر دیا
پیارے حافظ جی! ہے فرقت سخت ہم کو ناگوار
ملت موعود مرسل اس لئے ہے سوگوار
چشم ہر اہل بصیرت ہو گئی ہے اشکبار
جوش حشت سے میں کرنے کو ہوں دامن تار تار
جا رہے ہیں آپ ہم سے کس لئے منہ موڑ کر
اس قدر احباب کے حلقے کو گریاں چھوڑ کر
یاد وہ دن جبکہ ہم رہتے تھے سب شیر و شکر
اور مقصد کچھ نہ جز تبلیغ تھا مدنظر
یعنی دنیائے ہمم کا ایک ہی تھا بحر و بر
بلبلیں محو ترنم گرد گل تھیں بے خطر
کر دیا ہم کو پریشاں گردش ایام نے
کر لیا گم دامن ظلمت میں دن کو شام نے

یاد ہیں ہم کو عنادل کی ترنم ریزیاں
اور مرغان چمن کی ہر طرف نو خیزیاں
شبکہ برگ گل پہ شبنم کی تھیں عنبر ریزیاں
بہر استیصال غم باد صبا کی تیزیاں
ایک جھونکے میں فنا باد خزاں نے کر دیا
آپ کو ہم سے جدا اس آسماں نے کر دیا
وہ تری طرز ادا- رنگیں بیانی یاد ہے
وہ ترا تقویٰ- تری قرآن دانی یاد ہے
جلسۂ سالانہ پر شیریں بیانی یاد ہے
یاد ہے وہ اسلام کے لیڈر کے ثانی یاد ہے
آہ! اب تو خواب کا عالم ہی آتا ہے نظر
تیری شمع زندگی کا آ گیا وقت سحر
ہاں مگر جانا بھی ہے پھر ہم سے ملنے کی دلیل
یعنی اگلی زندگی ہو گی پنپنے کی دلیل
جذب پانی ہے زمیں سے پھر نکلنے کی دلیل
اور ہونا بند غنچے کا ہے کھلنے کی دلیل
شرط یہ ہے کہ دعا کرنا ہمارے واسطے
سلسبیل موت میں بہنا ہمارے واسطے''

(الفضل ۲۳ر جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

مکرم مولوی محمد ایوب صاحب ثاقب میرزا خانی نے آپ کا مرثیہ

کہتے ہوئے یوں لکھا

''قلزم علم شریعت اور دریائے علوم
اس کے سینہ میں نہاں لولوئے لالائے علوم
کشور علم الٰہی میں سکندر کی مثال
اور دانائے علوم پاک دارائے علوم
اس کے ہاتھوں میں مزین خاتم علم و ادب
وہ سلیمان کی طرح فرماں فرمائے علوم
چشم دل پر نور اس کی گو بصارت تھی ضعیف
گوش ہوش اس کے تھے گویا چشم بینائے علوم
کان کے رستہ سے اس نے پی لئے علم و ادب
کیا کہوں سن سن کے اس نے کس طرح کھائے علوم
علم و فن کے لعل اگلتا تھا وہان پاک سے
موتیوں سے بھی گراں قدر اس نے پھیلائے علوم
معدن علم و ہنر وہ مخزن فضل و کمال
کتنے فاصلے ہو گئے جب اس نے بتلائے علوم
عالم و فاضل پہ اس پر عامل کامل تھا وہ
ایسا کامل تھا کہ اپنے علم کا عامل تھا وہ
کون ایسا درس قرآن اب سنائے گا ہمیں
کون اب رفق و مدار سے بٹھائے گا ہمیں

طوطئ شکر شکن کے آہ وہ نغمے کہاں
کون حقانی ترانے اب سنائے گا ہمیں
ہے ہزار نغمہ سنج احمدیت دم بخود
وجد میں اور بے خودی میں کون لائے گا ہمیں
اف جگانے والے نے ملک بقا کی راہ لی
دیکھئے اب کون غفلت سے جگائے گا ہمیں
خار بن کر اک خلش پیدا کرے گا روز و شب
درد اب اس کی جدائی کا ستائے گا ہمیں
بن کے سودائی پھریں گے دشت وصحرا چھانتے
اس کا سودا ہے کہ دیوانہ بنائے گا ہمیں
ایک نشہ تھا کہ جس میں چور رہتے تھے مدام
کون ایسا ساغر صافی پلائے گا ہمیں
روٹھ کر احباب سے وہ مست ساقی اٹھ گیا
بن کے مست ساغر صہبائے باقی اٹھ گیا
پُرارادت کتنے شاگرد اپنے پیدا کر گیا
نوجوانوں کو علوم حق کا شیدا کر گیا
رہ کے بیمار محبت نرگس مستانہ وار
اپنے شاگردوں کو مست چشم شہلا کر گیا
مرنے والے میں اثر تھا عیسوی انفاس کا
زندۂ جاوید اک دنیا کو زندہ کر گیا

پر تو تھا اس میں نور الدین عالیجاہ کا
نور دین احمد والا- دوبارہ کر گیا
وعظ شوکت سے بھرے کہہ کر بآواز بلند
احمدیت کا جہاں میں بول بالا کر گیا
منکران دین کو نیچا دکھا کر چل بسا
کلمۂ اسلام کو دنیا میں اونچا کر گیا
ہو گئی کمزوریاں بیماریاں کافور سب
نام اچھا لے گیا اور کام اچھا کر گیا
احمد والا نشان کا نام لیوا چل بسا
لے کے نام اللہ کا جان مسیحا چل بسا
کیا کہیں اس کے بچھڑ جانے کا کتنا غم ہوا
اپنے دم پر کیا بنی جب آخر اس کا دم ہوا
اس کے پراسرار لیکچر اس کے پرتاثیر وعظ
یاد کر کے دوستوں میں اک بپا ماتم ہوا
بیعت دست مسیحا کا رہا پابند وہ
خوب ہی اس نے نبھایا عہد جو باہم ہوا
ہاں وہ دربار خلافت کا مرید باصفا
عامل احکام مرشد بادل خورم ہوا
بے تکلف دوستوں کا دوست اور یاروں کا یار
بینوا کہتے تھے پیدا اک نیا حاتم ہوا

مبتلاؤں کا انیس اور درد مندوں کا جلیس
دوستوں کے درد وغم میں وہ شریک غم ہوا
ان فضائل کا شرف ہے آج باغ خلد میں
کس شکوہ و شوکت و اجلال سے ویلکم ہوا
حافظ حق آشنا اب امن و راحت میں رہو
جنت الفردوس میں اور قصر جنت میں رہو
درس قرآں یاد آتا ہے تمہارا کیا کہیں
آہ انداز بیاں وہ پیارا پیارا کیا کہیں
ہم جگر کی لیں خبر یا دل کو تھامیں اے اخی
ٹکڑے ٹکڑے دل- جگر ہے پارہ پارہ کیا کہیں
آہ قرآنی معارف آہ اسرار حدیث
ہاتھ سے کیا دے رہا ہے دل ہمارا کیا کہیں
تھا ابھی اب اک خزانہ معرفت کا ہاتھ میں
بیٹھ جاتا ہے یہ دل آفت کا مارا کیا کہیں
لے گیا ہے ساتھ اپنے روشنی چشم دل
دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کا تارا کیا کہیں
کچھ نہیں کہنے کے لائق ماجرائے درد دل
دل میں گھٹ کر رہ گیا افسانہ سارا کیا کہیں
وہ ہجوم عاشقاں علم و قرآن و حدیث
بزم مستان الٰہی کا نظارہ کیا کہیں

بس تمہارے جاتے ہی سارا سماں جاتا رہا
وہ زمین جاتی رہی وہ آسماں جاتا رہا
جب تمہاری مرگ بے ہنگام کی پہنچی خبر
حضرت والا کے دل پر کیا ہوا اس کا اثر
تار کا پیغام بھیجا خطۂ کشمیر سے
آہ رخصت ہو گیا اسلام کا اک نام
ظل نور الدین تھا اور پیکر عبدالکریم
رہنمائے احمدیت دین حق کا راہبر
احمدیت پر بھی اور اسلام پر اس کی وفات
ایک صدمہ ہے بڑا اک حادثہ دشوار تر
اس مصیبت کا غم و اندوہ مٹ سکتا نہیں
سانحہ یہ نقش ہو گا لوح دل پر عمر بھر
دل میں اٹھتا ہے کہ چل کر خطۂ کشمیر سے
اڑ کے جا پہنچیں کہیں روشن علی کی نعش پر
موسم گرما کی تابش اس کی مانع ہو گئی
ان کے جسم پاک پر موسم نہ کر جائے اثر
کیوں نہ ہو تم تھے مرید خاص اور استاد بھی
ہاں ارادت مند بھی اور صاحب ارشاد بھی
یاد رکھنا ہم تمہارے یار تھے غم خوار تھے
تم ہمارے غم رہا تھے یار تھے دلدار تھے

شمع تھے تم تم پہ ہم گرتے رہے پروانہ وار
ماہ تھے تم اور تمہارے گرد ہم پروار تھے
اک زمانہ تھا تمہارے زور پر اڑتے تھے ہم
تم ہمارے بال و پر تھے اور ہم پروار تھے
دشمنوں کے آڑے آتے تھے سپر ہو کر بہم
شہسوار فارسی کے تیغ جوہر وار تھے
تم ہی تھے داروئے درد اور تم ہی تھے تیمار دار
یاد ہے روز مصیب جب کہ ہم بیمار تھے
کیا کہیں کیا دل پہ گذری جب ہوئے بیمار تم
کچھ نہ کر سکتے تھے ہم مجبور اور لاچار تھے
درد دل سے کیں دعائیں تندرستی کے لئے
لب پہ اپنے ورد یا ستار یا غفار تھے
تم گئے ثاقب کو بھی جلدی بلا لیجئے وہاں
اپنے پہلو میں جگہ دے کر لٹا لیجے وہاں''

(الفضل ۲ر جولائی ۱۹۲۹ء ص ۲)

اور بھی بہت سے حضرات نے اپنے غم واندوہ کا نثر اور نظم میں اظہار فرمایا مگر اس وقت میں طوالت کے خوف سے چند ایک اقتباسات دینے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ ان اقتباسات سے آپ کی سیرت کے کئی پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ مرنے والے کا جو اثر کسی انسان پر ہوتا ہے وہی اس کے جذبات کے اظہار کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور دیکھنے والا یا پڑھنے والا ان جذبات کے

اظہار سے ہی مرنے والے کی سیرت کے کئی پہلوؤں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔

قرارداد ہائے تعزیت:

حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات پر جماعت کے متعدد اداروں، آپ کے شاگردوں اور اکناف عالم میں پھیلی ہوئی جماعتوں نے ریزولیوشن پاس کئے۔ صدر انجمن احمدیہ نے اپنے ریزولیوشن میں حضرت حافظ صاحبؓ کی بے نفس اور پر جوش عالمانہ اور فاضلانہ خدمات کا اعتراف کیا اور ان کی قابل قدر تبلیغی خدمات کو باقی احمدیوں کے لئے نمونہ قرار دے کر آپ کی وفات کو بلحاظ سے آپ کے علم و فضل اور اخلاص و زہد اور محنت و جانفشانی ایک قومی صدمہ قرار دیا چنانچہ لکھا ہے۔

> ''یہ مجلس حافظ روشن علی صاحب مرحوم کی بے نفس اور پر جوش عالمانہ اور فاضلانہ خدمات سلسلہ حقّہ کا دلی اعتراف کرتے ہوئے ان کی وفات پر اظہار افسوس کرتی ہے اور ان کے پسماندگان اور دیگر اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کی تبلیغی خدمات بہت ہی قابل قدر اور دوسرے احمدیوں کے واسطے ایک قابل تقلید نمونہ تھیں۔ جن کے سبب مجلس ان کی شکرگذار ہے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہے حافظ صاحب مرحوم کی وفات بلحاظ ان کے علم و فضل اور اخلاص و زہد اور محنت و جانفشانی کے ایک قومی صدمہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بلند مقامات عطا فرمائے اوران کے نقش قدم پر چلنے والے بہت سے عالم و فاضل جماعت میں پیدا ہوں اور ہوتے رہیں۔آمین۔''

جامعہ احمدیہ کے عملہ اور طلباء نے اپنی قرارداد میں آپ کی خوبیوں، اخلاق فاضلہ تجر علمی اور بے نظیر تعلیم وتدریس کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کا اظہار کیا کہ آپ کی وفات پر جس قدر بھی رنج وغم پیدا ہو کم ہے اور جس قدر بھی اس کا اظہار کیا جائے مناسب ہے۔قرارداد یہ ہے۔

''ہم تمام پروفیسران و طلبائے جامعہ احمدیہ نہایت رنج وغم سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات جامعہ احمدیہ کے لئے بالخصوص اور تمام سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے بالعموم ایک سخت نقصان دہ واقعہ ہے ہم تمام پروفیسران اپنے محبّ شفیق اور ہم تمام طلبائے جامعہ اپنے محترم استاد کی بے وقت موت اور سخت شاق جدائی پر دل سے **انا للہ و انا الیہ راجعون** کہتے ہیں۔جناب حافظ صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کی خوبیاں۔آپ کے اخلاق آپ کے علم وتجر اور آپ کی بے نظیر تعلیم وتدریس کو یاد کر کے جس قدر بھی رنج والم پیدا ہو کم ہے اور جس قدر بھی اس کا اظہار کیا جائے عین مناسب ہے لیکن ہم بمطابق سنت نبوی یہی کہتے ہیں۔**العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول**

الا مایرضی به ربنا اور ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما کر آپ کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام قرب کے درجات عطا فرمائے اور ہم کو اس صدمہ عظیمہ میں جناب حافظ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال و دیگر تمام اقارب سے دلی ہمدردی ہے۔خدا تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔''

حضرت حافظ صاحبؓ کے شاگردوں نے اپنے ریزولیوشن میں کہا۔

''ہم تمام شاگردان حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نہایت رنج و افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب کی وفات حسرت آیات ان کے شاگردوں کے لئے بالخصوص اور تمام سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے بالعموم ایک روح فرسا واقعہ اور ایک سخت نقصان دہ حادثہ ہے۔ہم سب شاگرد اپنے نہایت مکرم ومحترم، بے حد شفیق و مربی خاص محسن استاد کی بے وقت وفات اور نہایت شاق جدائی پر دل سے **انا للہ و انا الیہ راجعون۔اللھم اجرنا فی معیبتنا و اخلف لنا خیراً منھا** کہتے ہیں۔حافظ صاحب نے جس کمال ہمدردی اور بے لوث محبت اور خاص توجہ سے ہمیں خدا تعالیٰ کی پاک کتاب اور احادیث اور دیگر علوم کی کتابیں

پڑھائیں اور اپنے اخلاق فاضلہ اور اسوہ حسنہ سے ہماری تربیت فرمائی تھی اور قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی تھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آپ کی تمام خوبیوں اور علمی تبحر اور بے حد احسانات کو یاد کر کے ہماری طبائع میں جس قدر بھی رنج وغم اور کرب پیدا ہو تھوڑا ہے اور اس کا جس قدر بھی اظہار کیا جائے وہ لائق و مناسب ہے۔ کیوں نہ ہو۔

لئن حسنت فیه المراثی و ذکریا

لقد حسنت من قبل فیه المدائع

لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ہم یہی کہتے ہیں۔**ان العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الاما یرضی به ربنا و انا بفراقک لمحزونون۔ ان اللہ ما اخذ و له ما اعطی و کل عندہ باجل مسمی** ۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے حضرت حافظ صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اعلیٰ علیین میں داخل کرے۔ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہمیں ان کی پسندیدہ و جاری کردہ باتوں پر عمل درآمد کرنے کی توفیق بخشے تا کہ ان کی روح مبارک کو خوشی پہنچے۔ آمین۔''

(الفضل ۵ر جولائی ۱۹۲۹ء ص ۸)

حضرت حافظ صاحبؓ نے اپنی زندگی میں جماعت کی عورتوں کی

تربیت کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی تھی۔ اس لئے آپ کی وفات کی وجہ سے جماعت کے طبقہ نسواں نے بھی عظیم صدمہ محسوس کیا۔ لجنہ اماء اللہ قادیان نے آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا۔

''ہم ممبرات لجنہ اماء اللہ نہایت رنج وغم سے اس امر کا اظہار کرتی ہیں کہ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم کی وفات حسرت آیات سے ہمارے قلوب کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔**انا للہ و انا الیه راجعون**۔

بے شک بظاہر یہ ایک بے وقت موت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حافظ صاحب کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں آپ کا عالم بے مثال اور عامل بے نظیر ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کا رمضان شریف میں درس دینا مردوں کے علاوہ عورتوں کے لئے بھی ایک عجیب روحانی غذا تھی۔ حضرت خلیفة المسیح الاولؓ کی دعا اور خواہش جو درس قرآن کے متعلق ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرے گا لیکن بظاہر ایسا عالی حوصلہ جوانمرد پیدا ہونا ناممکن سے معلوم ہوتا ہے۔

لجنہ اماء اللہ کے ساتھ بھی آپ کا مشفقانہ تعلق تھا۔ آپ بطور ایک والد کے ہر وقت ہماری تربیت کے لئے تیار رہتے۔ ہم جب چاہتیں لیکچر کے لئے آپ کو بلاتیں۔ انکار تو کجا آپ کی پیشانی پر بل بھی نہ آتا افسوس ہے کہ آج

ہم ان کی شفقت بھری ہدایات اور نصائح سے محروم ہیں اوراس لئے دلی تڑپ سے یہ دعا ہمارے سینوں سے نکلتی ہے کہ اے دو جہاں کے مالک حافظ صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اورانہیں بے انتہا انعامات اخروی سے متمتع فرما۔ ان کے پسماندگان کوصبر جمیل عطا کراورہم سب کے اس نقصان کی تلافی فرما۔ آمین یارب العالمین۔

(الفضل ۲۶/جولائی ۱۹۲۹ء ص۲)

غیروں کے تاثرات:

آپ کی وفات کے صدمہ کا اپنے تو اپنے غیروں بلکہ دشمنوں نے بھی احساس کیا اوراپنے جذبات ہمدردی کا اظہار کیا۔محترم سید کشفی شاہ صاحب نظامی آف رنگون نے لکھا کہ:

''علامہ حافظ روشن علی صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبرسن کر مجھے سخت صدمہ ہوا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جناب حافظ صاحب مرحوم جماعت احمدیہ کے جید عالم اور بے نظیر جرنیل تھے ان کے انتقال سے جو جانکاہ صدمہ ان کے لواحقین کو پہنچا ہے اس سے مجھے پوری دلی ہمدردی ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں صبر کی توفیق بخشے اورصبر کا اجر عظیم عطا فرمائے۔''

(بحوالہ الفضل ۲/اگست ۱۹۲۹ء ص۲)

اخبار اہل حدیث ۵/جولائی ۱۹۲۹ءلکھتا ہے کہ۔

''حافظ روشن علی قادیانی جماعت میں ایک قابل آدمی تھے۔قطع نظر اختلاف رائے کے ہم کہتے ہیں کہ موصوف خوش قرأت خوش گو تھے۔ مناظرے میں متین اور غیر دل آزار تھے۔مرزا صاحب کے راسخ مرید تھے۔ہمیں ان کی وفات میں ان کے متعلقین سے ہمدردی ہے۔''

(بحوالہ الفضل ۹/مئی ۱۹۳۰ء)

معاصر پیغام صلح لاہور نے اپنے ۹/جولائی ۱۹۲۹ء کے ایشوع میں لکھا کہ:

''اختلاف عقائد اور چیز ہے۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ اختلاف عقائد کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے کے دکھ درد اور رنج وراحت میں اس کے شریک حال ہو۔ حافظ روشن علی صاحب ایک متشدد محمودی تھے۔محمودیت کی حمایت میں انہوں نے ہمیشہ غالیانہ سپرٹ کا اظہار کیا۔ تاہم ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں۔ جن کی وجہ سے ان کی موت باعث افسوس ہے۔ حافظ صاحب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ مرحوم کے شاگردوں میں سے تھے۔ نہایت ذہین، خوش بیان، خوش الحان اور عالم آدمی تھے۔ نہ صرف علوم اسلامیہ پر کافی عبور تھا۔ بلکہ غیر مذاہب سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے اورآریہ سماج کے ساتھ کئی

ایک مناظرے انہوں نے کئے-''

(بحوالہ الفضل ۹ رمئی ۱۹۳۰ء ص ۹)

یادگار قائم رکھنے کی تحریکیں:

حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات کے بعد آپ کی یادگار قائم کرنے کے لئے متعدد تحریکات کی گئیں- آپ کے شاگردوں نے آپ کی یادگار کے طور پر ایک یتیم خانہ قائم کرنے کی تجویز پاس کی اور اس کے بعد اس کے لئے چندہ کی اپیل بھی کی گئی-

رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مدیر محترم حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ نے لکھا کہ:

> ''حضرت علامہ حافظ صاحب کی یادگار قائم کرنے کا سوال درپیش ہے خواہ وہ اس صورت میں ہو کہ آپ کا ایک مکمل درس القرآن جلد سے جلد شائع کر دیا جائے- مولانا اللہ دتہ صاحب جالندھری اس کو مرتب فرما سکتے ہیں-
>
> دوم- ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہوا کرے- جو تحقیقات علمی کا مخزن ہو- اس کا ہر مضمون ایک خاص شان رکھتا ہو جس میں مختلف علماء و فضلاء اپنے مطالعہ اور ریسرچ کا نچوڑ پیش کیا کریں- اس کے متعلق بشرط ضرورت و تحریک مفصل پھر لکھا جائے گا-''

(ریویو آف ریلیجنز جولائی ۱۹۲۹ء، ٹائٹل پیج ص ۲)

لیکن افسوس کہ اس قسم کی کسی تجویز نے کوئی عملی صورت اختیار نہ کی- محرکین خود دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے- اور اس طرف توجہ نہ دے سکے- بہرحال نہ کوئی رسالہ نکلا نہ ہی یتیم خانہ قائم ہوا- ہاں میرے نزدیک آپ کی بہترین یادگار سلسلہ کا موجود تبلیغی نظام ہے آپ تبلیغ کے عاشق تھے- اور اس میں اپنا ہر داؤ لگائے بیٹھے تھے- آپ کے بعد نہ صرف آپ کے تیار کردہ مبلغ اس وقت تک تبلیغی میدان میں مصروف جہاد رہے- بلکہ آگے ان کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ جب تک جماعت احمدیہ باقی ہے یہ قائم رہے گا- اور صدقہ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب حضرت حافظ صاحبؓ کو پہنچتا رہے گا-

اشعار میں تاریخ وفات:

بعض شعرائے کرام نے آپ کی تاریخ وفات بھی نکالی ہے- چنانچہ مکرم سید حسین صاحب ذوقی نے کہا-

گفتار ذوقی ایں تاریخ نیک صفاتش مرد سعید
از دنیا در خلد بریں حافظ روشن علی رسید

۱۹۲۹ء

(الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۲۹ء)

مکرم مولوی غلام احمد صاحب اختر اوچ شریف نے کہا:

''قاری علامہ حافظ مولوی روشن علی ز اتباع احمد از مرات او روشن علی
ابلغ البلغاء استظہارِ دیں کامل ولی آنکہ اسرار خفیہ بود بروے منجلی

رحمت غفار تاریخ وفات اختر بگفت   قاری علامہ قابل مولوی روشن علیؒ‘‘

۱۹۲۹ء   ۱۳۴۸

(الفضل ۱۶؍جولائی ۱۹۲۹ء)

روایات:

حضرت حافظ صاحب ایک لمبے عرصہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک مجالس میں حاضر ہوتے رہے اور آپ کے کلمات بابرکات سے مستفیض ہوتے رہے- حافظہ بلا کا نصیب ہوا تھا- اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے آپ نے عملی طور پر فائدہ اٹھایا- اور ان سے جو نور حاصل کیا وفات تک اس نور سے تاریک دلوں کو منور کرنے کا فرض بجا لاتے رہے- لیکن چونکہ روایات کے بارہ میں آپ کچھ زیادہ محتاط واقع ہوئے تھے- اس لئے آپ سے زیادہ روایات مروی نہیں- ہاں بعض روایات بعض مواقع پر آپ نے بیان فرمائی ہیں وہ یہاں درج کی جاتی ہیں-

آپ فرماتے ہیں-

۱- ’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل میں نے دیکھا ہے کہ باوجود اتنی کمزوری کے کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے- لیکن جماعت سے ہی پڑھتے تھے- اور جب گھر پر پڑھتے تھے تو بھی جماعت کرا لیتے تھے- میں نے اپنی بیوی کو بھیجا کہ جا کر آپ کو گھر میں نماز پڑھتے دیکھے تو اس نے بتایا کہ آپ اتنی کمزوری کے باوجود کہ آگے پیچھے

تکئے رکھتے تھے- لیکن نماز جماعت سے ہی پڑھتے تھے-‘‘

(الفضل ۳۰؍جنوری ۱۹۱۶ء)

۲- ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کسی نے باجماعت نماز کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایاک نعبد سے تو جماعت ہی معلوم ہوتی ہے اکیلا تو ہے ہی نہیں-‘‘

(الفضل ۳۰؍جنوری ۱۹۱۶ء)

۳- ’’جب حضرت مسیح موعود کے صاحبزادے مبارک احمد فوت ہوئے- تو یہ خبر سن کر میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ حضرت اقدس کے گھر جاؤ اور دیکھو کہ آپ کے گھر میں اس وفات کا کیا اثر ہے وہ گئیں- اور واپس آ کر انہوں نے مجھے بتایا کہ بچہ کو نہلایا جا رہا ہے اور معلوم نہیں کہ حضرت صاحب اور بیوی صاحبہ کہاں ہیں- تھوڑی دیر کے بعد بچہ کو کفن پہنا کر باہر لایا گیا- اور چونکہ قبر کے تیار ہونے میں ابھی دیر تھی- اس لئے باغ میں حضرت مسیح موعود بیٹھ گئے- اور حضرت خلیفہ اولؓ کو مخاطب کر کے فرمایا- مولوی صاحب خوشیوں اور شادیوں کے دن کبھی کبھی میسر ہوا کرتے ہیں- پھر فرمایا مولوی صاحب ہمارے گھر میں یہ مبارک موقع کئی سال کے بعد آیا ہے- یہ کہہ کر فرمانے لگے لوگ ایسی ہی باتوں کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ لوگ مجنون ہیں مگر ہم مجنون نہیں ہوتے- ایسے موقعہ پر ہمیں خوشی اس لئے ہوتی

ہے کہ خدا تعالیٰ سے انسان کی اصلاح کے لئے دو قانون بنائے ہیں- ایک قانون قضا ہے اور دوسرا قانون شریعت- قانون شریعت انسان کو دیا گیا ہے کہ وہ اسے اپنے طور پر استعمال کرے اور قانون قضا خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے مثلاً نماز انسان کی اصلاح اور پاکیزگی کے لئے ایک اعلیٰ ذریعہ ہے- اس کے متعلق انسان کو اختیار رہے کہ اگر وضو نہیں کر سکتا تو تیمّم کر کے پڑھ لے اگر کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے اگر بیٹھ بھی نہیں سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے- لیکن جو انسان ان رعایتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا - بلکہ اپنے نفس کی رعایت کرتا ہے وہ کب پاک ہو سکتا ہے- مگر قانون قضا خدا تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہے اس کے مطابق خدا تعالیٰ کسی کی اصلاح کے لئے جتنا ضروری سمجھتا ہے- اسے کانٹ چھانٹ دیتا ہے تو فرمایا چالیس سال کی نماز وہ کام نہیں کرتی - جو پانچ منٹ قضا کے حکم پر صبر کرنے سے ہوتا ہے- اب غور کرو جس راستہ کو چالیس سال کے عرصہ میں طے کرنا ہو- وہ پانچ منٹ میں طے ہو جائے تو کس قدر خوشی اور مسرت کا موقعہ ہوتا ہے-'' (الفضل ۲۲/ ۱۹ر جولائی ۱۹۱۹ء)

۴-''حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ سیر میں فرمایا تھا کہ اگر حضرت مسیحؑ کی قبر کو کھولا جائے اور آپ کی نعش نکل آئے

اور ہاتھ پاؤں پر صلیب کے نشانات ملیں تو مجھے اس قدر خوشی ہو کہ اگر کوئی شخص خوشی سے مر سکتا ہو تو میں اس دن مر جاؤں-'' (الفضل ۱۲ر ستمبر ۱۹۲۱ء ص ۵)

۵-''حضرت اقدس کی زندگی کا بچپن کا زمانہ تعلیم اور بعد کا چند سالہ زمانہ والد ماجد کے ارشاد کے مطابق سیالکوٹ میں ملازمت میں صرف ہوا- مگر آپ کو ملازمت وغیرہ کی طرف طبعی رغبت نہ تھی- چونکہ آپ کے والد، اس علاقہ کے رئیس تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس علاقہ کو دوبارہ حاصل کریں- اس لئے ان کا خیال تھا کہ کسی طرح ملازمت وغیرہ کے ذریعہ یہ مقصد حاصل کرنا چاہئے- پس آپ کا ملازمت کرنا محض والد کے حکم کی فرمانبرداری میں تھا- ورنہ آپ کی طبیعت کا ابتداء ہی سے یہ تقاضا تھا کہ یاد خدا میں وقت صرف کریں- چنانچہ حضور نے سیالکوٹ سے اپنے والد کو پارسی زبان میں ایک خط لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر طرف موت کی گرم بازاری ہے اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں- اور خدا سے غفلت بڑھ گئی ہے- اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ اپنی بقیہ زندگی یاد خدا میں صرف کروں۔

بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند''

۶-''میں نے حضرت اقدس سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں

کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے پوچھے کہ تو کیا چاہتا ہے تو میں عرض کروں گا کہ مولا میں چاہتا ہوں کہ ایک حجرہ ہو اور تیرا خیال ہو۔ مجھے تو اس نے خود پکڑ کے نکالا ہے۔''

۷۔''حضرت اقدس کے والد صاحب کا خیال تھا کہ چونکہ اس میرے لڑکے کا دنیا کی طرف خیال نہیں ہے۔ اس لئے کہیں یہ بھوکا ہی نہ مر جائے۔ اس لئے انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے کو وصیت کی تھی کہ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا۔ جب حضرت صاحبؓ کے والد صاحب فوت ہوئے تو حضرت اقدس شادی شدہ تھے۔ مگر آپ کو جائیداد وغیرہ کا کوئی خیال نہ تھا۔ چنانچہ باوجود برابر کے حصہ دار ہونے کے حالت یہ تھی کہ آپ نے اپنے بڑے بھائی سے ایک دفعہ کچھ رقم کسی کتاب کے خریدنے کے لئے مانگی تو انہوں نے کہا کہ آپ کچھ کام تو کرتے نہیں اور روپیہ مانگتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کو اپنی جائیداد کا علم ہی نہ تھا۔ تھا مگر آپ کی اس طرف توجہ نہ تھی۔ لیکن ایک دفعہ آپ کو جائیداد کا خیال آیا ہے اور اس وقت آیا ہے جب دین کے لئے اس کی ضرورت پڑی اپنی ذاتی ضرورت کے وقت نہیں آیا۔ چنانچہ جب حضور نے براہین احمدیہ کتاب تائید اسلام میں لکھی تو اس کے ساتھ حضور نے انعامی اشتہار شائع فرمایا جس میں لکھا کہ ''اگر کوئی ان

دلائل کا جواب دے تو میں اس کو اپنی دس ہزار روپیہ قیمتی جائیداد دے دوں گا۔''

۸۔''مسجد مبارک جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دار کے ساتھ ملحق ہے۔ اس کا جو راستہ مہمان خانہ کی طرف سے آتا ہے اس کے آگے حضور کے چچا زاد بھائیوں نے دیوار کھینچ دی۔ آپ لوگوں میں سے جو نئے ہیں اس تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جو اس وقت دیوار کی طرف سے حضرت اقدس اور احمدیوں کو ہوئی تھی۔ چنانچہ مسجد مبارک میں آنا ضروری ہوتا تھا اس واسطے آنے والے آتے تھے۔ مگر سیدھے رستہ سے بوجہ دیوار حائل ہونے کے نہیں آ سکتے تھے۔ اس لئے ان کو ایک بڑا چکر کاٹ کر آنا پڑتا تھا۔ یعنی حضرت خلیفہ اولؓ کے مکان کے سامنے اور بڑ کے درخت کے نیچے سے ہو کر تمام چکر کاٹتے ہوئے مرزا سلطان احمد صاحب کے مکان کے اوپر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مکان کے سامنے سے مسجد مبارک کے نیچے سے ہو کر پھر آنا ہوتا تھا۔ مگر راستہ کی جو حالت آپ اب دیکھتے ہیں وہ نہ تھی۔ بلکہ آج سے مختلف تھی۔ یعنی بارش کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی اس راستہ میں پانی کھڑا رہتا تھا۔ اور بارش میں اور زیادہ ہوتا تھا۔ جس میں سے گزر کر بمشکل مسجد میں احباب پہنچتے تھے۔ حضرت اقدس فرماتے

تھے کہ اس دیوار سے ہمیں یہ تکلیف پہنچی ہے کہ ہمارے مہمانوں کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس وقت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کے سامنے ڈھاب ہوتی تھی۔ جواب بہت پُر ہوگئی ہے اور اکثر دفاتر مکانات و مدرسہ احمدیہ اسی ڈھاب کو پاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ حالت اس وقت یہ تھی کہ لوگ ڈھاب میں سے مٹی بھی نہیں لینے دیتے تھے اور ٹوکریاں وغیرہ چھین کر لے جاتے تھے۔

مہمانوں کی تذلیل کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ مگر یہاں کے لوگ حضرت اقدسؑ کے پاس آنے والے مہمانوں کی سخت تذلیل کرتے تھے۔ اور جب وہ رفع حاجت کے لئے کھیتوں وغیرہ میں جاتے تھے تو یہ لوگ اس میں نہ صرف رکاوٹ ڈالتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ اٹھا کر لے جاؤ۔ جب منارۃ المسیح بننے لگا۔ تاکہ خدا کا نام اس پر سے بلند کیا جائے۔ تو اس کی ہندوؤں نے اس لئے مخالفت کی تھی کہ ان کے گھروں کی بے پردگی ہوگی۔ حالانکہ بڑے بڑے شہروں میں بلند سے بلند عمارتیں ہیں۔ مگر وہاں کوئی اس عذر سے کسی کی مخالفت نہیں کرتا۔ مگر یہاں کے ہندوؤں نے اس بارے میں بڑی مخالفت کی۔ کوئی احمدی مکان بناتا تھا تو گاؤں کے لوگ لاٹھیاں لے کر آجاتے تھے کہ ہم مکان نہیں بنانے دیں گے۔ یہ سلوک تھا قادیان

کے لوگوں کا حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے پیروؤں سے۔''

۹۔''ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم اس گورنمنٹ کے ماتحت نہ ہوتے۔ بلکہ کسی مسلمان کہلانے والی سلطنت میں ہوتے تو ہمیں روز خبریں ملا کرتیں کہ آج فلاں دوست قتل ہوگیا۔ اور آج فلاں مارا گیا۔''

(الفضل ۹رجنوری ۱۹۲۲ء ص ۵ تا ۶)

۱۰۔ ایک دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا آپ فرما رہے تھے۔ اگر مخالفین کا وجود دنیا میں نہ ہوتا۔ تو قرآن شریف صرف اتنا ہی ہوتا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله ۔ انہی کی مخالفت کا یہ نتیجہ ہے کہ انہوں نے سوالات اور اعتراضات کئے جس کی وجہ سے نئے نئے علوم اور حقائق اور معارف قرآن کریم میں بیان کئے گئے۔ جس طرح کہ چقماق کو جب تک لوہے پر نہیں مارا جاتا۔ آگ نہیں نکلتی۔ اور جب تک بچہ روتا نہیں۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں اترتا۔ جب تک گرمی کی شدت نہ ہو۔ بارش اور ٹھنڈی ہوائیں نہیں آتیں۔ اسی طرح اگر مخالفین نہ ہوں۔ اور وہ شکوک اور شبہات پیش نہ کریں تو نئے سے نئے علوم اور معارف بھی ظاہر نہ ہوں۔''

(الفضل ۱۳رجون ۱۹۲۵ء ص ۶)

۱۱- حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود نے جن دنوں میں ایا ارض مدقد دفاک مدمو والا قصیدہ اعجاز احمدی میں لکھا تو اسے دوبارہ پڑھنے پر باہر آ کر حضرت خلیفہ اولؓ سے دریافت فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کیا ایا بھی ندا کے لئے آتا ہے؟ عرض کیا گیا ہاں حضور بہت مشہور ہے- فرمایا شعر میں لکھا گیا ہے- ہمیں خیال نہیں تھا نیز حافظ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ کئی دفعہ حضور فرماتے تھے کہ بعض الفاظ خود بخود ہمارے قلم سے لکھے جاتے ہیں اور ہمیں ان کے معنے معلوم نہیں ہوتے- حافظ صاحب کہتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت صاحب سے ایسا محاورہ لکھا جاتا تھا کہ جس کا عام لغت میں بھی استعمال نہ ملتا تھا- لیکن پھر بہت تلاش سے پتہ چل جاتا تھا-''

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۷۶ روایت نمبر ۱۰۲)

۱۲- ''بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب میں شروع شروع میں قادیان آیا تو اس کے چند دن بعد ایک بڑا معمر شخص بھی یہاں آیا تھا- یہ شخص حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مریدوں میں سے تھا- اور بیان کرتا تھا

کہ میں سید صاحب مرحوم کے ساتھ حج میں ہمرکاب تھا- اور ان کے جنگوں میں بھی ان کے ساتھ رہا تھا- اور اپنی عمر قریباً سوا سو سال کی بتاتا تھا- قادیان میں آ کر اس نے حضرت صاحب کی بیعت کی- یہ شخص دیندار تہجد گذار تھا اور باوجود اس پیرانہ سالی کے بڑا مستعد تھا- دو چار دن کے بعد وہ قادیان سے واپس جانے لگا- اور حضرت صاحب سے اجازت چاہی- تو آپ نے فرمایا کہ آپ اتنی جلدی کیوں جاتے ہیں- کچھ عرصہ اور قیام کریں- اس نے کہا کہ حضور کے واسطے موجب تکلیف نہیں بننا چاہتا- حضرت صاحب نے فرمایا نہیں، آپ ٹھہریں ہمیں خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں ہے- ہم سب انتظام کر سکتے ہیں- چنانچہ وہ یہاں ڈیڑھ دو ماہ ٹھہرا- اور پھر چلا گیا- ایک دفعہ دوبارہ بھی وہ قادیان آیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ فوت ہوگیا .... حافظ صاحب نے بیان کیا کہ یہ شخص چونڈہ ضلع امرتسر کا تھا-''

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۲۳، ۱۲۲، روایت نمبر ۱۳۵)

۱۳- ''بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقعہ تھا- اور ہم لوگ حضرت صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہمانوں کے

لئے باہر پلاؤ، زردہ وغیرہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آ گیا- ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہوگا-لیکن دیکھا تو تھوڑا سا خشکہ تھا اور کچھ دال تھی- اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا- حضرت صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا- آپ بھی کھانا کھالیں- چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہو گئے- حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہو گئے- حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے-''

(سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر۱۴۳)

۱۴-''بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب منارۃ المسیح کے بننے کی تیاری ہوئی- تو قادیان کے لوگوں نے افسران گورنمنٹ کے پاس شکائتیں کیں کہ اس منارہ کے بننے سے ہمارے مکانوں کی پردہ دری ہو گی- چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک ڈپٹی قادیان آیا- اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسجد مبارک کے ساتھ والے حجرہ میں ملا اس وقت قادیان کے بعض لوگ جو شکائیت کرنے والے تھے وہ بھی اس کے ساتھ تھے- حضرت صاحب سے ڈپٹی کی باتیں ہوتی رہیں اور اسی گفتگو میں حضرت صاحب نے ڈپٹی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ بڈھا مل بیٹھا ہے- آپ اس سے پوچھ لیں کہ بچپن سے لے کر آج تک کیا کبھی ایسا ہوا

ہے کہ اسے فائدہ پہنچانے کا مجھے کوئی موقعہ ملا ہو- اور میں نے فائدہ پہنچانے میں کوئی کمی کی ہو- اور پھر اسی سے پوچھیں کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقع ملا ہو تو اس نے مجھے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر چھوڑی ہو- حافظ صاحب نے بیان کیا کہ میں اس وقت بڈھا مل کی طرف دیکھ رہا تھا- اس نے شرم کے مارے اپنا سر نیچے اپنے زانوؤں میں دیا ہوا تھا اور اس کے چہرہ کا رنگ سپید پڑ گیا تھا- اور وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں بول سکا-'' (سیرت المہدی حصہ اول ص۱۳۴، روایت نمبر۱۴۵)

۱۵-''بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے کسی شخص سے ایک زراعتی کنوآں ساڑھے تین ہزار روپیہ میں رہن لیا-مگر میں نے اس سے نہ کوئی رسید لی اور نہ کوئی تحریر کروائی- اور کنوآں بھی اسی کے قبضہ میں رہنے دیا- کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس کنویں کی آمد کا مطالبہ کیا تو وہ صاف منکر ہو گیا- اور رہن کا ہی انکار کر بیٹھا- جناب حافظ صاحب کہتے تھے کہ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ کسی نے یہ خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچا دی- اور مولوی صاحب کے نقصان پر افسوس کیا-مگر حضرت صاحب نے فرمایا-تمہیں ان کے نقصان کی فکر ہے

مجھے ایمان کی فکر ہے مولوی صاحب نے کیوں دوسرے شخص کو ایسی حالت میں رکھا۔ جس سے اس کو بد دیانتی کا موقع ملا۔ اور کیوں اسلامی حکم کے مطابق اس سے کوئی تحریر نہ لی اور کیوں اس سے با قاعدہ قبضہ نہ حاصل کیا۔"

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۴۱، ۱۴۲ روایت نمبر ۱۴۸)

۱۶۔" حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ جس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن نماز میں سجدہ کیا کرتے تھے۔ وہاں سے کئی کئی دن تک بعد میں خوشبو آتی رہتی تھی۔"

(سیرت المہدی حصہ دوم ص ۲۰ روایت نمبر ۳۲۶)

۱۷۔" حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرماویں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدۃً اہل حدیث تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے اس کے جواب میں حضرت صاحب کی خدمت میں ایک کارڈ ارسال کیا جس میں لکھا

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اس کے نیچے "نورالدین حنفی" کے الفاظ لکھ دیئے۔ اس کے بعد جب مولوی صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب حنفی مذہب کا اصول کیا ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اصول یہ ہے کہ قرآن شریف سب سے مقدم ہے اگر اس کے اندر کوئی مسئلہ نہ ملے۔ تو آنحضرت صلعم کے قول و فعل کو دیکھنا چاہئے۔ جس کا حدیث سے پتہ لگتا ہے اور اس کے بعد اجماع اور قیاس سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ تو پھر مولوی صاحب آپ کا کیا مذہب ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی مذہب ہے اس پر حضرت نے اپنی جیب سے مولوی صاحب کا وہ کارڈ نکالا اور ان کی طرف پھینک کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ مولوی صاحب شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔"

(سیرت المہدی حصہ دوم ص ۴۸ روایت نمبر ۳۵۷)

حضرت حافظ صاحب کا منظوم عربی کلام

"جَآءَ الْاِمَامُ فَاَبْشِرُوْا یَا اِخْوَتِیْ

اے میرے بھائیو تمہیں خوشخبری ہو حضرت امام تشریف لائیں ہیں

قُوْمُوْا اِلَی اسْتِقْبَالِہٖ یَاحِبَّتِیْ

میرے پیارو اٹھو۔ اُن کے استقبال کو چلیں

فَاقْضُوْا مَنَا یَاکُمْ بِوَجْہِ حَبِیْبِکُمْ

اپنی آرزوؤں کو اپنے حبیب کا چہرہ دیکھ کر پورا کرو

لَاتَغْفَلُو ا فَتَنَبَّھُوْا بِالْقُوَّۃِ

غفلت مت کرو۔ ہمت کے ساتھ چوکس ہو جاؤ

یَامَنْ دَعَوْتَ النَّاسَ وَقْتَ ھِلَاکِھِمْ

اے جس نے کہ لوگوں کی ہلاکت کے وقت

دَعْوَی الْمُحِبِّ اِلٰی جِنَانِ النِّعْمَۃِ

پیار کرنے والوں کی طرح نعمت کے باغوں کی طرف دعوت کی ہے

اُعْطِیْتَ مِنْ رَّبِّ السَّمَآءِ رِسَالَۃً

تجھے آسماں کے رب کی طرف سے رسالت دی گئی ہے

تُوِّجْتَ مِنْ مَّوْلَاکَ تَاجَ الْعِزَّۃِ

اور تیرے مولیٰ نے تجھے عزت کا تاج پہنایا ہے

یَاحَبَّذَا حِبًّا کَرِیْمًا بِالْھُدٰی

اے بہت پیارے اور معزز دوست سیدھی راہ کی طرف

ھَادٍ وَّ مَھْدٍ نَاطِقٌ بِالْحِکْمَۃِ

ہدایت کرنے والے (اور) حکمت کی باتیں سنانے والے

اِنَّا نَرٰی فِیْ وَجْھِکَ الْمُتَھَلِّلِ

ہم تیرے چمکتے ہوئے چہرہ میں ایک ایسی روشنی دیکھتے ہیں

نُوْرًا یُّبَارِیْ الْبَدْرَ قَامِعُ ظُلْمَۃِ

جو کہ چاند کی روشنی سے مقابلہ کرتی اور ظلمت کو جڑ سے اکھیڑتی ہے

وَاللّٰہِ اِنَّکَ قَدْبُعِثْتَ لِخَیْرِنَا

اللہ کی قسم! تُو تو ہماری بہتری کے لئے بھیجا گیا ہے

بَطَلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ جِئْتَ بِعَظْمَۃِ

تو ایک پہلوان ہے جو کہ رحمٰن کی طرف سے عظمت کے ساتھ آیا ہے

یَاقَمَرَ اَرْضِ الْھِنْدِ نَوِّرْ اَرْضِنَا

اے ہند کی زمین کے چاند ہماری زمین کو روشن کر

اَسْرِجْ سِرَاجَ قُلُوْبِنَا بِالْمِنَّۃِ

اور ہمارے دلوں کو اپنے احسان سے منور کر

یَاغَیْثَ مَآءِ الْوَحْیِ رِدْءَ کِتَابِہٖ

اے وحی کی بارش کے پانی اور اس کی کتاب کے مددگار

اَمْطِرْ عَلٰی غَبْرَآءِ نَابِالرَّحْمَۃِ

ہماری زمین پر رحمت کا مینہ برسا

اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ شَرِّ قَوۡمٍ ھَالِکٍ

تُو نے ہمیں خلاصی دی ایک ہلاک ہونے والی قوم کی شرارت سے

وَھَدَیۡتَنَا قِبَلَ الۡاِلٰہِ بِشَفۡقَۃٍ

اور شفقت سے ہمیں حقیقی معبود کی طرف راہنمائی کی

وَمُدَجِّجٍ کَرِہَ الۡکُمَاۃُ نِزَالَہٗ

اور بہت سے بڑے بڑے بہادر کہ زبردست بھی ان کے مقابلے کو ناپسند کرے

لَمَّا دَعَوۡتَ مُحَارِبًا بِالۡقُدۡرَۃِ

جب کہ تُو نے زور کے ساتھ لڑنے کے لئے اُسے بُلایا

تَرَکَ الۡقِتَالَ وَ فَرَّ مِثۡلَ نَعَامَۃٍ

چھوڑ دیا اس نے لڑائی کو اور شتر مرغ کی طرح بھاگا

وَضَعَ السِّلَاحَ ھُنَاکَ خَوۡفُ الۡمِحۡنَۃِ

اور محنت کے خوف سے اپنے ہتھیار وہیں پھینک دیئے

اَنۡتَ الۡمُظَفَّرُ وَ الۡکِمَیُّ بِاَرۡضِنَا

تُو ہی بہادر اور تُو ہی کامیاب ہماری سرزمین میں ہے

مِنۡ بَیۡنِ اَبۡطَالٍ تَفِیۡٔی بِنُھۡبَۃٍ

تُو ہی بڑے پہلوانوں کے درمیاں سے مال لے کر واپس آتا ہے۔‘‘

(البدر مورخہ یکم دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶-۷)

Printed by

Raqeem Press Islamabad U.K.